قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰیo وَ ذَکَرَ اسۡمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰیo

بے شک بھلا ہوا اس کا جو سنورا، اور لیا اس نے نام اپنے رب کا پھر نماز پڑھی

اصلاحِ نفس

مصنف

ڈاکٹر حاجی فدا محمد دامت برکاتہم

(خلیفۂ ارشد حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ)

نام کتاب : اصلاحِ نفس

مصنف : ڈاکٹر حاجی فدا محمد مدظلہٗ

(خلیفۂ ارشد حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ

سابق جنرل سیکرٹری مسلم لیگ پشاور۔

سابق رکن مرکزی مسلم لیگ تحریکِ پاکستان۔

سابق چیئرمین شعبۂ عربی پشاور یونیورسٹی۔

سابق امیر تبلیغی جماعت پشاور مرکز۔

سابق رکن مرکزی مجلسِ شوریٰ رائیونڈ۔

بانی مدرسہ امداد العلوم مال روڈ پشاور صدر۔)

تعداد : ایک ہزار

اشاعت بار اول : ۲۰۰۰ء

بار : ہفتم

تاریخِ اشاعت : رجب ۱۴۳۴ھ / جون ۲۰۱۲ء

ناشر : ادارہ اشرفیہ عزیزیہ، پشاور

قیمت : ۴۰ روپے

ملنے کا پتہ : ادارہ اشرفیہ عزیزیہ، P.O. باکس نمبر ۱۰۱۵، پشاور یونیورسٹی، پشاور۔

ویب سائیٹ : www.darwaish.org

ای میل : physiologist72@yahoo.com

saqipak99@gmail.com

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	پیش لفظ	۵
۲	پیش لفظ اشاعت بارِ پنجم	۶
۳	پیش لفظ اشاعت بارِ ششم و ہفتم	۷
۴	تقریظ جناب مفتی حمید اللہ جان صاحب	۸
۵	تقریظ حضرت مولانا حسن جان صاحبؒ	۹
۶	تقریظ جناب مولانا رضاء الحق صاحب	۱۰
۷	تبصرہ ماہنامہ البلاغ (دارلعلوم کراچی)	۱۱
۸	مقصدِ پیدائش	۱۲
۹	استفسار دربارۂ نفاق	۱۳
۱۰	استفسار دربارۂ ریا و اخلاص	۱۴
۱۱	استفسار دربارۂ کبر	۱۵
۱۲	استفسار دربارۂ جذبات شہوانیہ	۱۷
۱۳	صحابہ کرام کی اپنے نفس کی نگرانی	۱۷
۱۴	اصلاحِ نفس	۲۷
۱۵	حقیقی تصوّف	۲۹
۱۶	مقاصد و ذرائع	۴۰
۱۷	نتائج و زوائد	۴۰
۱۸	سلسلہ کے درجات	۵۰

۱۹	درجۂ اوّل	۵۰
۲۰	درجۂ دوم	۵۱
۲۱	درجۂ سوم	۵۳
۲۲	سلسلہ تصوف وطریقت کے نتائج	۵۵
۲۳	تکمیل	۵۵
۲۴	خلافت	۵۶
۲۵	نسبت	۵۶
۲۶	افادات حُجۃ الاسلام امام غزالیؒ	۵۷
۲۷	ملفوظات حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ	۵۸
۲۸	دورِ حاضر میں اہل اللہ کی صحبت	۶۱
۲۹	حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کا ملفوظ	۶۲
۳۰	حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کا ملفوظ	۶۲
۳۱	حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ (مختصر سوانح)	۶۳
۳۲	اصلاحی بیانات حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ	۶۸
۳۳	بیان نمبر '۱' ہاسٹل نمبر '۲' پشاور یونیورسٹی	۶۸
۳۴	بیان نمبر '۲' دربارۂ تصوّف	۷۸
۳۵	بیان نمبر '۳' محبت کیا چیز ہے؟	۸۳
۳۶	بیان نمبر '۴' تقویٰ وتصوّف	۹۳
۳۷	شجرۂ مبارک سلسلہ چشتیہ صابریہ (فارسی)	۱۰۷
۳۸	شجرۂ مبارک سلسلہ چشتیہ صابریہ (اردو)	۱۰۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ٥
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ ط

پیش لفظ

اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسانِ عظیم اس بندہ پر ہوا کہ ۱۹۶۴ء تا ۱۹۹۵ء عرصہ اکتیس (۳۱) سال حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی پشاوریؒ کی خدمت میں رہنے کا موقع نصیب فرمایا۔ حضرتؒ کے مواعظ اور آپکی مجالس میں اس عرصہ میں جو مضامین سامنے آئے، اُن کو جمع کرنے کی توفیق ہوئی۔ حضرتؒ سے ہی یہ بات سنی تھی کہ دِین کے بارے میں کسی پر اس وقت تک اعتبار نہ کیا جائے جب تک اس دور کے راسخین فی العلم علماء اور کاملین حضرات اس کی تائید نہ کرلیں۔ اسی وجہ سے اس بات کی فکر رہی کہ یہ تحریر حضرات اکابرین کی نظر سے گذر جائے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے ہمارے سروں پر علمی وعملی لحاظ سے قابلِ فخر اور قابلِ رشک حضرات کا سایہ موجود ہے جو بیک وقت دارالعلوموں کے مشائخ الحدیث اور مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ تصوّف کے سلاسل کے کامل مشائخ بھی ہیں۔ چنانچہ یہ تحریر حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب صدر شعبہ افتاء دارالعلوم جامعہ اشرفیہ لاہور اور مفتی رضاء الحق صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم زکریا جنوبی افریقہ کی خدمت میں پیش کی گئی۔ دونوں حضرات نے تقاریظ سے نوازا اور اس بات کا خطرہ نہ رہا کہ بندہ کے غیر معروف ہونے کی وجہ سے تحریر نظرانداز ہوگی اور محتاط ومشتاق حضرات کے مطالعہ میں آنے سے رہ جائے گی۔ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی، حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت علّامہ انور شاہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے کچھ ملفوظات بھی شامل کئے اور کچھ مواعظ حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ کے شامل کئے اس اُمید پر کہ اِن مقبول حضرات کی برکت سے رسالہ مقبول ہوجائے۔ حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی پشاوریؒ کے بیانات ان کی فی البدیہ تقریر

کے دوران لکھے گئے ہیں۔ اس لئے کاتب ربط اور زبان باوجود کوشش کے بیان کے مطابق نہیں رکھ سکے۔ اللہ تعالیٰ برخوردار عبدالرّحیم اور اعزاز اللہ کو جزائے خیر نصیب فرمائے کہ اس رسالہ کے بارِ اوّل شائع ہونے کا ذریعہ بنے۔

پروفیسر ڈاکٹر حاجی فدا محمد
سابق چیئرمین اناٹومی ڈیپارٹمنٹ
خیبر میڈیکل کالج پشاور، پاکستان

پیش لفظ اشاعت بارِ پنجم

بندہ کا کتابچہ اصلاحِ نفس پہلی بار ۱۴۲۱ھ بمطابق ۲۰۰۰ء شائع ہوا۔ خلافِ توقع چار بار تقریباً چار ہزار کی تعداد میں شائع ہو کر ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ اب پانچویں بار اشاعت کی نوبت آ رہی ہے۔ البلاغ والوں نے پہلی اشاعت کے بارے میں طباعتی غلطیوں کی نشاندہی کی تھی وہ بفضلہٖ تعالیٰ دوسری اشاعت میں دور کر دی گئیں۔ موجودہ اشاعت میں رسالے کو تفصیل سے پڑھ کر ترمیم و اضافہ کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر فدا محمد

پیش لفظ اشاعت بارِ ششم

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ بندہ کا کتابچہ اصلاحِ نفس چھٹی بار چھپ کر آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ سلسلہ کے بزرگوں کی مقبولیت کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سعی کو قبول فرما کر بندہ کے لئے سرمایہ آخرت بنادے۔ آمین!

ڈاکٹر فدا محمد

پیش لفظ اشاعت بارِ هفتم

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بے حدو بے انتہا احسان ہے کہ بندہ کا رسالہ اصلاحِ نفس چھ بار طبع ہو کر ختم ہو گیا۔ ساتویں بار اشاعت کی توفیق ہوئی۔ اس عرصہ میں اس نظام کو چلانے اور برتنے کی توفیق ہوئی۔ اس کے اثرات اور ردِعمل سامنے آیا۔ گردو پیش میں چلتی ہوئی دینی تحریکوں اور تصوف کے دیگر سلاسل کے ساتھ واسطہ (interaction) پڑتا رہا۔ اس چیز نے سمجھنے کی نئی راہیں کھولیں۔ اس تجربے کی روشنی میں اس طباعت (ایڈیشن) میں کچھ اضافے کئے گئے ہیں۔ ان اضافوں کے سلسلے میں کچھ مثالیں پیش کی گئی ہیں جن میں نام لئے بغیر بعض لوگوں کے افعال کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس طرح اشخاص کا نام تو نہیں آیا لیکن کچھ اداروں اور تحریکوں پر اصلاحی تنقیدی بحث ہو گئی ہے۔ ہم سب اصلاح کے محتاج ہیں۔ اگر یہ تنقید کسی کو اصلاح کی طرف متوجہ کر دے تو بہت بڑا فائدہ حاصل ہو جائے اور اگر اس پر کسی کو ناراضگی محسوس ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم اپنے آپ کو تنقید سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سعی کو قبول فرما کر ہمارے لئے آخرت کا سرمایہ بنائے۔

ڈاکٹر فدا محمد

تقریظ

حضرت مولانا حمید اللہ صاحب صدر شعبۂ افتاء وشیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ط

محترم جناب ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت فیوضاتُہم کی کتاب ''اصلاحِ نفس'' کا میں نے بنظرِ غائر مطالعہ کیا۔ تصوّف اور تزکیۂ نفس کے مبتدیوں کے لئے بہترین زادِ راہ ثابت ہوگی۔ موجودہ پُرفتن اور مادیّت سے بھرپور دور میں ایسی عبقری شخصیات کا وجود اُمّتِ مرحومہ کے لئے نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔ حضرت اقدس مولانا محمد اشرف صاحب قدّس سرّہٗ نے اپنی حیات میں جس نہج پر لِلّٰہیت سے بھرپور کام کیا، ڈاکٹر صاحب موصوف ان کے خلیفۂ مجاز اور شریعت وطریقت کی راہ میں زندہ جاوید مثال اور مرحوم کیلئے بہترین صدقۂ جاریہ ہیں۔ نئی نسل آج جن پریشانیوں میں مبتلا ہے اور قدم قدم پر راحت وسکون مفقود ہوتا جارہا ہے، کتاب ایسے نوجوانوں کے تابناک مستقبل کیلئے مشعلِ راہ اور دُنیوی واُخروی زندگی سدھارنے کیلئے صراطِ مستقیم ثابت ہوگی۔

میری دُعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کی اس تالیف سے علماء، عوام اور خصوصاً یونیورسٹی کے اساتذہ وطلباء کو زیادہ سے زیادہ مستفیض ہونے کی توفیق عنایت فرماوے اور اس خدمتِ جلیلہ کو قبولیتِ خاصہ سے نواز کر اپنی رضا کا ذریعہ بنادے۔ آمین ثم آمین۔

حمید اللہ

خادم الحدیث والافتاء

جامعہ اشرفیہ لاہور

۱۴۲۰/۵/۳۰ھ

تقریظ

حضرت مولانا محمد حسن جان صاحبؒ شیخ الحدیث جامعہ امداد العلوم الاسلامیہ پشاور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ o

الحمد للّٰہ و الصلاۃ و السلام علی سیدنا محمد بن عبداللّٰہ و علیٰ آلہٖ و صحبہ و من والاہ و علی من اتبع ھدائہ فی شئون حیاۃ و ھواہ

وبعد: زیرِ نظر رسالہ مؤلفہ مولانا ڈاکٹر فدا محمد صاحب خلیفۂ ارشد و مجازِ بیعت و تربیت از حضرت مولانا محمد اشرف صاحب (نور اللہ مرقدہٗ) تصوف اور اصلاحِ باطن کا ایک زرین پیامِ رُشد و ہدایت ہے۔ سرسری چند اوراق کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ موصوف نے تربیت اور تزکیہ کے مقامات کا پُر سیر تبصرہ کیا ہوا ہے اور تشنگانِ اصلاحِ احوال کے لئے ایک گلدستۂ بصیرت اور چراغِ راہِ سلوک کا مجموعہ تحریر فرمایا ہے۔ ظاہری امراض کا علاج ضروری اور کسی ماہر ڈاکٹر اور معالج کے پاس جانے سے شفایاب ہو جانے کی امید ہو سکتی ہے۔ اسی طرح روحانی بیماریوں مثلاً حرص، غفلت، حسد، غضب، فکرِ آخرت نہ ہونا، تکبّر، بُخل وغیرہ کا علاج بھی ازحد ضروری ہے۔ جو ظاہری بیماریوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ اور ان کی اصلاح کے لئے کسی ماہرِ فن، مُربّی اور مُصلّح اور عالم مرشد کے پاس جانے میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے بعد شفایاب ہو جانے کی بڑی توقع ہے۔ میری دعا ہے کہ رسالہ ہذا تشنگانِ تربیت اور ہمارے جیسے بے بضاعت لوگوں کے لئے ذریعۂ رُشد و ہدایت اور برادرم مولانا ڈاکٹر فدا محمد صاحب کے لئے وسیلۂ نجات اور آخرت کے سفر میں زادِ راہ بنا دے۔ (آمین)

از محمد حسن جان
شیخ الحدیث جامعہ امداد العلوم الاسلامیہ
وخطیب جامعہ مسجد الدرویش
پشاور صدر

۱۵/۱۱/۱۴۲۰ھ

تقریظ

جناب حضرت مولانا رضاء الحق صاحب مفتی وشیخ الحدیث دار العلوم زکریا

لینیشیا جنوبی افریقہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

فقیر نے فدا محمد صاحب کا رسالہ اصلاحِ نفس دیکھا جوانہوں نے تصوّف کی ضرورت اور اسکی خوبیوں کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔ ماشاء اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب نے اکابر کے اقوال کی روشنی میں اس اہم مسئلہ پر اچھی طرح روشنی ڈالی ہے اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کے دل و دماغ میں تصوّف کے متعلق جو شکوک وشبہات پائے جاتے ہیں ان کا حل اور جواب تحریر فرمایا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے رسالے کو اکابر کے بعض واقعات سے بھی مزیّن فرمایا ہے۔ الغرض یہ رسالہ از دل خیزد بر دل ریزد کا مصداق ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک اہم مسئلہ کی طرف بھی قارئین کی توجہ مبذول کرائی ہے، وہ یہ کہ کسی کی توجہ ڈالنے سے بے حال ہونا یا قلب کا یکسر جاری ہونا مقصود بالذّات اور بام عروج نہیں بلکہ اصل چیز اتباعِ شریعت اور سنت کی پابندی ہے۔ یہ نکتہ بہت اہم اور قابلِ توجہ ہے۔ لٰہذا یہ دیکھنا چاہئے کہ جن بزرگوں کے طفیل دینِ حق دُنیا کے کونے کونے میں پھیلا اور دینِ حق کی شمع روشن ہوئی اور جو حضرات اتباعِ سنت کو اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے ہیں بس انہی کا طریقہ صحیح اور دُرست ہے اور وہی حضرات رُوحانی امراض کے صحیح معالج ہیں۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور اس رسالہ کو سرمۂ بصیرت بنادے اور ہم سب کو دِین کی سربلندی کے لئے قبول فرمالے۔ آمین

رضاء الحق

دار العلوم زکریا جنوبی افریقہ

تبصرہ ماھنامہ البلاغ

﴿دارُالعلوم کراچی﴾

شریعت وطریقت دونوں لازم وملزوم ہیں۔اصلاحِ نفس بھی اتنا ہی ضروری ہے جس قدر ظاہری اعمال۔ پیش نظر رسالے میں اسی موضوع کی افادیت واہمیت اورضروری تفصیلات کو اُجاگر کیا گیا ہے۔اس بارے میں اکابر صوفیاء کی ان تھک جدوجہد کا مختصر حال اورحضرت مولانا اشرف صاحب سلیمانیؒ کےاصلاحی بیانات بھی درج ہیں۔معیارِ طباعت بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔باطنی اصلاح کے طلبگاروں کیلئے یہ کتابچہ انشاءاللہ تعالیٰ بہت مفید ثابت ہوگا۔

(ابومعاذ)

(البلاغ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ/اگست ۲۰۰۱ء)

☆☆☆☆☆☆

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ!

مقصدِ پیدائش:

انسان کی پیدائش کا مقصد اللہ تعالیٰ کی پہچان حاصل کرنا اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر عمل کر کے آخرت کی لازوال نعمتیں حاصل کرنا اور وہاں کی لامتناہی ہولناکیوں سے اپنے آپ کو محفوظ کرنا ہے۔ اس چیز کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ نے احکامات مرحمت فرمائے ہیں۔ ان احکامات کا تعلق انسان کے ظاہر سے بھی ہے اور باطن سے بھی۔ ظاہری احکامات مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، کسبِ حلال، بال بچوں کا نان ونفقہ وغیرہ معروفات (نیکیاں) کہلاتے ہیں، جن کی پابندی فرض وواجب ہے۔ کچھ کام مثلاً چوری، ڈاکہ زنی، قتل، حرام خوری، شراب نوشی وغیرہ منہیات (منع کی ہوئی چیزیں) ہیں، جن کا ارتکاب حرام ہے اور ان سے بچنا فرض ہے۔ ان معروفات اور منہیات کو فقہاء نے بیان کیا ہے، جن سے فقہ مدوّن ہوا۔ اسی طرح باطن کے بھی احکامات ہیں۔ باطنی احکامات میں بھی باطنی معروفات (نیکیاں) توحید، توکّل، تفویض (اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کرنا)، تواضع، اخلاص، خیرخواہی ہیں، جنہیں باطنی فضائل کہا جاتا ہے، ان کی پابندی بھی فرض وواجب ہے۔ منہیات میں شرک، کبر، حسد، لالچ، کینہ، ریاء ہیں، جنہیں رذائل کہا جاتا ہے۔ ان کا ارتکاب اسی طرح حرام ہے جس طرح ظاہری منہیات کا اور ان سے بچنا اسی طرح فرض ہے جس طرح ظاہری منہیات سے۔ معروفات اور منہیات کے اس باطنی پہلو کو صوفیاء نے بیان کیا ہے۔ جس طرح

ظاہری فرائض کا سیکھنا ضروری ہے اور اس کے لیے علماء کی شاگردی اختیار کرنا پڑتی ہے اسی طرح باطنی رذائل سے پاک ہونے کیلئے اور فضائل سے متصف ہونے کے لئے بھی ماہرین کی شاگردی اختیار کرنا ہوگی جو کہ صوفیائے کرام ہیں۔ صحابہ کرامؓ کا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہری احکامات کے پوچھنے کا حال بیان کیا گیا ہے، وہاں یہ بات بھی تذکروں میں آئی ہے کہ انہوں نے باطنی باتوں کو بھی پوچھا۔ مثلاً

استفسار دربارۂ نفاق (منافقت کے بارے میں سوال):

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے یہ کہتے ہوئے نکلے نَافَقَ حَنْظَلَۃُ کہ (حنظلہ تو منافق ہوگیا)۔ سامنے سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لا رہے تھے، ان سے عرض کیا کہ حنظلہ تو منافق ہوگیا۔ وہ یہ سن کر فرمانے لگے کہ کیا کہہ رہے ہو؟ ہرگز نہیں۔ حضرت حنظلہؓ نے صورت بیان کی کہ ہم لوگ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہوتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوزخ اور جنت کا ذکر فرماتے ہیں تو ہم لوگ ایسے ہو جاتے ہیں گویا دونوں (جنت، دوزخ) ہمارے سامنے ہیں۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے آجاتے ہیں تو بیوی، بچوں اور جائیداد وغیرہ کے دھندوں میں پھنس کر اس کو بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ یہ بات تو ہمیں بھی پیش آتی ہے۔ اس لئے دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جا کر حنظلہؓ نے عرض کیا کہ جب ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت و دوزخ کا ذِکر فرماتے ہیں تب تو ہم ایسے ہو جاتے ہیں گویا کہ وہ ہمارے سامنے ہیں لیکن جب خدمتِ اقدس سے چلے جاتے ہیں تو جا کر بیوی بچوں اور گھر بار کے دھندوں میں لگ کر بھول جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تمہارا ہر وقت وہی حال رہے جو میرے سامنے ہوتا ہے تو

فرشتے تم سے بستروں پر اور راستوں میں مصافحہ کرنے لگیں لیکن حنظلہؓ بات یہ ہے کہ گاہے گاہے یعنی اس قسم کے حالات کبھی کبھی حاصل ہوتے ہیں۔

(حکایاتِ صحابہ صفحہ ۱۴۱، مولانا زکریاؒ، کتب خانہ فیضی)

استفسار دربارۂ ریا و اخلاص:

۱) ترمذیؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں بعض اوقات اپنے گھر کے اندر اپنی جائے نماز پر ہوتا ہوں، اچانک کوئی آدمی آجائے تو مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے مجھے اس حال میں دیکھا (یعنی یہ کہیں ریا تو نہیں!) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ابو ہریرہؓ خدا تعالیٰ تم پر رحم فرمائے تمہیں اس وقت دو اجر ملتے ہیں، ایک خفیہ عمل کا جو پہلے سے کر رہے تھے اور ایک اعلانیہ عمل کا جو اُس آدمی کے آنے کے بعد ہو گیا (یعنی یہ ریاء نہیں ہے)۔

(تفسیر معارف القرآن جلد پنجم صفحہ ۶۵۰، مفتی محمد شفیع صاحب)

۲) صحیح مسلم میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایسے شخص کے بارے میں فرمایئے کہ جو نیک عمل کرتا ہے۔ پھر لوگوں کو سُنے کہ وہ اس عمل کی تعریف اور مدح کر رہے ہیں (یعنی یہ ریاء تو نہیں ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **تِلْکَ عَاجِلُ الْبُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِ** یعنی یہ مؤمن کیلئے نقد بشارت ہے یعنی اس کا عمل اللہ کے نزدیک مقبول ہوا اور اُس نے بندوں کی زبان سے اس کی تعریف کرادی۔

(تفسیر معارف القرآن جلد پنجم صفحہ ۶۵۰، مفتی محمد شفیع صاحب)

۳) ابنِ ابی حاتمؒ نے کتاب الاخلاص میں طاؤسؒ سے نقل کیا ہے کہ ایک صحابیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذِکر کیا کہ بعض اوقات کسی نیک کام یا عبادت کیلئے کھڑا ہوتا

ہوں اور میرا مقصد اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا ہی ہوتی ہے مگر اس کے ساتھ دل میں یہ خواہش بھی پیدا ہوتی ہے کہ لوگ میرے عمل کو دیکھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر سکوت فرمایا یہاں تک کہ سورہ کہف کی آخری آیت ''فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا'' نازل ہوئی۔

۴) ابو نعیم اور تاریخ ابن عساکر میں بروایت ابن عباسؓ لکھا ہے کہ جندبؓ بن زہیر صحابی جب نماز پڑھتے یا روزہ رکھتے یا صدقہ کرتے پھر دیکھتے کہ لوگ ان اعمال سے ان کی تعریف اور ثناء کر رہے ہیں تو ان کو اس سے خوشی ہوتی اور اپنے اس عمل کو اور زیادہ کر دیتے اس پر مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر معارف القرآن جلد پنجم صفحہ ۶۵۰ مفتی محمد شفیعؒ)

آیت میں رِیا کو شرک خفی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۝ (الکھف۔۱۱۰)

ترجمہ: ''سو پھر جس کو اُمید ہو اپنے رب سے ملنے کی وہ کرے کچھ نیک کام اور شریک نہ کرے اپنے رب کی بندگی میں کسی کو۔''

مندرجہ بالا واقعات میں سے واقعہ نمبر ایک اور واقعہ نمبر دو میں وجہ عمل رضائے الٰہی ہی تھی، اتفاقاً وہ ظاہر ہو گئے جس سے صاحبِ عمل کو فرحت اور خوشی ہوئی۔ اس لئے ان دو واقعات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاء میں شامل نہیں فرمایا جبکہ دوسرے دو واقعات میں شروع ہی سے وجہِ عمل میں علاوہ رضائے الٰہی کے مخلوق بھی شامل ہو گئی چنانچہ واقعہ نمبر تین میں جذبہ ہے کہ لوگ دیکھیں جبکہ واقعہ نمبر چار میں لوگوں کا دیکھنا عمل میں زیادتی کا ذریعہ بن رہا ہے اس لئے ان دونوں حالتوں پر ریاء کا فتویٰ دیا گیا۔

استفسار در بارۂ کبر:

حضرت ثابتؓ بن قیس بن شماس کی صاحبزادی کہتی ہیں کہ میں نے اپنے باپ

سے سنا وہ فرماتے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ (لقمٰن. ۱۸)

ترجمہ: ’’بیشک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔‘‘

نازل ہوئی تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ پر نہایت بھاری پڑ گئی، اپنا دروازہ بند کر لیا اور رونا شروع کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع کی گئی، آپ ﷺ نے ان کے پاس آدمی بھیجا اور ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے اس چیز کی آپ کو خبر کر دی جو اس آیت سے ان پر بھاری پڑی اور عرض کیا کہ میں ایک آدمی ہوں کہ زینت اور جمال کو پسند کرتا ہوں اور یہ کہ میں اپنی قوم کا سردار ہوں (یعنی ان باتوں سے کہیں کبر اور فخر میں تو مبتلا نہیں ہوں)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو بلکہ تم بھلائی کے ساتھ زندگی گزاروگے، خیریت کے ساتھ تمہاری وفات ہوگی اور تمہیں اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرے گا۔

اسی طرح حضرت محمد بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ثابتؓ بن قیس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے یہ ڈر ہے کہ ایسا نہ ہو کہ میں تباہ ہو گیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کس لئے؟ عرض کیا اللہ پاک نے ہم لوگوں کو منع فرمایا ہے کہ ہم نے جو کچھ نہیں کیا ہم اس پر تعریف کئے جانے کو پسند کریں اور میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ مجھے اپنی تعریف پسند ہے۔ اللہ پاک نے ہمیں تکبر سے منع کیا ہے اور میں اپنے آپ کو پاتا ہوں کہ میں زینت کو محبوب رکھتا ہوں۔ اللہ پاک نے آپ ﷺ کی آواز پر آواز بلند کرنے کو منع فرمایا ہے اور میری آواز بلند ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ثابت! کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ زندگی میں تمہاری تعریف کی جائے اور تمہیں شہادت کی موت نصیب ہو اور تم جنت میں داخل ہو،

عرض کیا یا رسول اللہ بے شک یہ باتیں پسند ہیں۔ راوی کہتے ہیں چنانچہ انہوں نے ایسی ہی زندگی گذاری کہ ان کی تعریف کی گئی اور انہوں نے مسیلمہ کذّاب کی جنگ میں جام شہادت نوش کیا۔ (حیاۃ الصحابہ حصہ پنجم صفحہ ۴۱۱، ۴۱۲ ترجمہ مولانا محمد عثمان)

استفسار دربارۂ جذبات شہوانیہ (Sex):

ایک شخص نے حاضر خدمت ہوکر باطنی شہوانی حالت کا تذکرہ کر کے بدکاری کی اجازت چاہی اس پر صحابہ کرامؓ سخت ناراض ہونے لگے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے قریب کر کے محبت و شفقت سے سمجھایا اور اس کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر دُعاء فرمائی جس سے اللہ تعالیٰ نے باطن کو پاک فرما دیا۔

(فضائل تبلیغ صفحہ ۲۸ مولانا زکریا صاحب کتب خانہ فیضی)

ان سب واقعات میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باطنی حالات کے بارے میں پوچھنے اور رذائل کی اصلاح حاصل کرنے کا تذکرہ ہے۔ وہ کاملین جن کے کمال پر قرآن و حدیث گواہ ہیں اور جن کو جنتی ہونے کی بشارتیں دُنیا ہی میں مل چکی ہیں، وہ بھی اپنے نفس کی پوری نگہداشت رکھتے تھے اور رذائل کا معمولی شائبہ محسوس ہونے پر اس کی اصلاح کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کرتے تھے، جو مندرجہ ذیل مثالوں سے واضح ہیں۔

صحابۂ کرام کی اپنے نفس کی نگرانی:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ وہ اپنی زبان کو کھینچ رہے ہیں۔ عرض کیا اے خلیفۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ آپ کی مغفرت فرمائے یہ کیا ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اس زبان نے مجھے بہت مصیبتوں میں مبتلا کیا ہے۔ (احیاء العلوم، امام غزالیؒ)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ نماز کے بعد تقریر کا اعلان کیا۔

جب لوگ جمع ہو گئے تو آپؓ نے حمد و ثناء کی، دُرود بھیجا اور پھر فرمایا: ''اے لوگو! میں نے وہ زمانہ دیکھا ہے جب میں بنی مخزوم میں اپنی خالاؤں کی بکریاں چراتا تھا اور مجھے اس کے عوض میں ایک مٹھی کھجور اور کشمش دیا کرتی تھیں اور میں اسی سے سارا دن بسر کرتا تھا۔ وہ بھی کیا دن تھے''۔ تقریر ختم ہونے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا امیرالمومنین! آج تو آپؓ نے اپنے عیب بیان کرنے کے سوا کوئی بات نہیں کی۔ فرمایا اے ابن عوفؓ! میں تنہائی میں تھا میرے نفس نے مجھ سے کہا تو امیرالمومنین ہے، مسلمانوں میں تجھ سے افضل کون ہوگا! تو میں نے اِرادہ کیا کہ اپنے نفس کو کچلوں اور اسے سزادوں۔ (حیاۃ الصحابہ حصہ ہفتم صفحہ ۶۵۹ ترجمہ مولانا محمد عثمان)

حضرت عمرؓ کو کسی نے زمانہ خلافت میں دیکھا کہ کمر پر مَشک لدی ہوئی ہے اور لوگوں کے ہاں پانی بھرتے پھرتے ہیں۔ کسی نے پوچھا حضرت! آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ فرمایا کسی بادشاہ کا سفیر آیا اس نے کہا کہ آپ کے عدل کی بہت شہرت ہو رہی ہے، میرا نفس سن کر خوش ہوا، میں اس کو ذلیل کر کے اس کی اصلاح کر رہا ہوں۔

(وعظ الخضوع مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت ابوعبداللہ ہولی شداد بن ہادؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو منبر پر جمعہ کے دن دیکھا، آپؓ پر ایک عدنی موٹا تہمد تھا جس کی قیمت چار پانچ درہم ہوگی اور گہرے رنگ کی کوئی چادر تھی یعنی بہت معمولی لباس تھا۔ آپؓ پُر گوشت لمبی داڑھی والے حسین صورت انسان تھے۔ یاد رہے کہ حضرت عثمانؓ خلیفہ ہونے کے ساتھ ساتھ ذاتی طور پر بھی بہت مالدار تھے۔

حضرت عمر بن قیسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ آپ اپنے کُرتے پر پیوند کس لئے لگاتے ہیں آپؓ نے جواب دیا تا کہ دل میں خشوع پیدا ہو اور مؤمن اس

کی اقتدا کریں۔ (حیاۃ الصحابہ جلد ہفتم صفحہ ۸۳۵)

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ نماز پڑھائی، نماز کے بعد فرمانے لگے کہ شیطان نے اس وقت مجھ پر حملہ کیا میرے دل میں یہ خیال ڈالا کہ میں افضل ہوں، آئندہ کبھی بھی نماز نہیں پڑھاؤں گا۔ (فضائل نماز صفحہ ۹۲ مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ)

ثعلبہ بن مالک قرظی کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بازار میں آئے اور لکڑیوں کا گٹھا لادے ہوئے تھے۔ یہ اُن دِنوں کا قصہ ہے جب کہ آپ مروان بن حکم کی طرف سے مدینہ کے گورنر تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابنِ مالک امیر کے لئے راستہ وسیع کر دو۔ ابنِ مالک کہتے ہیں میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ راستہ کافی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا امیر کیلئے راستہ وسیع کر دو ان پر لکڑی کی گڈی بھی تو ہے۔

(حیاۃ الصحابہ جلد ۴ صفحہ ۱۵۹ از ترجمہ مولانا محمد عثمان)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بازار سے گزرے اور ان پر لکڑی کا گٹھا تھا۔ ان سے لوگوں نے کہا کہ آپ کو اس کام پر کس چیز نے آمادہ کیا حالانکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس سے بے پرواہی بخشی ہے۔ جواب دیا کہ میں تکبّر کو دفع کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جنت میں وہ آدمی داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا۔ (حیاۃ الصحابہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نئے کپڑے پہنے اور میں نے اپنے دامن پر دیکھنا شروع کیا اور میں اپنے گھر میں چل رہی تھی کبھی اپنے کپڑے دیکھتی اور کبھی اپنا دامن۔ اتنے میں میرے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا! کیا تو نہیں جانتی کہ اللہ پاک اس وقت تیری طرف نظر نہیں کر رہا۔ حلیہ ابو نعیم (ایک کتاب) میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک نیا کرتہ پہنا، میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی

اور اس سے تعجب کر رہی تھی تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تو کیا دیکھ رہی ہے؟ اللہ پاک تیری طرف دیکھنے والا نہیں۔ میں نے پوچھا یہ کیوں؟ تو حضرت ابوبکر نے فرمایا کیا تو نہیں جانتی کہ بندہ میں جب زینت دُنیا کی وجہ سے عجب (خود بینی) پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا ربّ اس سے ناراض ہو جاتا ہے، جب تک کہ بندہ اس زینت کو چھوڑ نہ دے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں جبھی میں نے اس کرتہ کو اُتارا اور صدقہ کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا قریب ہے کہ یہ بات اس گناہ کا کفارہ ہو جائے۔ (حیاۃ الصحابہ حصہ ہفتم ۸۳۴)

حضرت عائشہؓ سے یہی توقع ہو سکتی ہے کہ ان کا یہ طرز، فرحِ شکر (شکریہ کی خوشی) ہو یا تحدیث بانعمت ہو (یعنی نعمت کا شکر کے ساتھ اظہار) لیکن حضرات کاملین اور محققین اپنے اور اپنے متعلقین کے بارے میں ایسی باریک بینی فرماتے ہیں کہ رذائل کے ادنیٰ شائبہ کا بھی قلع قمع کئے بغیر نہیں چھوڑتے۔ ان حضرات کے حالات کے پیش نظر ہمیں اپنے بارے میں سوچنا چاہیئے کہ ہم اصلاحِ باطن کے کس قدر محتاج ہیں۔

انبیاء علیہم السّلام کی پوری تاریخ اور اُمتِ مسلمہ کے پورے چودہ سو سالہ حالات اس بات کے گواہ ہیں کہ ظاہر و باطن کی اصلاح ساتھ ساتھ رہی ہے، ان کو کبھی علیٰحدہ نہیں سمجھا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر و باطن کا مجموعہ تھے اور تاثیر کا یہ حال تھا کہ حالتِ ایمان میں ایک نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والا ظاہری و باطنی کمالات کی منازل طے کر لیتا تھا۔ چنانچہ سارے اولیاء اللہ مل کر ایک ادنیٰ صحابیؓ کے مقام کو نہیں پہنچ سکتے۔ پھر صحابہ کے دور کے مجاہدات مثلاً کفار کی مخالفت، مار پیٹ، فقر و فاقہ، فروغ دین کے لئے لمبے لمبے پُر خطر سفر، ہجرت، اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتال ایسے کام تھے جن سے گزرنے کے بعد آدمی کا باطن صاف ہو کر کندن ہو جاتا تھا۔ صحابہؓ سے یہ باطنی کمال تابعین کو بحیثیتِ جماعت ملا اور تابعین سے تبع تابعین کو بحیثیتِ جماعت ملا۔ چنانچہ ان تین ادوار میں خیر

پوری امت میں غالب رہی۔ان تین ادوار کو حدیث خَیرُ اُمَّتِی قَرنِی ثُمَّ الَّذِینَ یَلُونَھُم ثُمَّ الَّذِینَ یَلُونَھُم (صحیح بخاری) میں بیان کیا گیا ہے (یعنی بہترین زمانہ میرا ہے پھر ان لوگوں کا جو اس سے متصل ہے پھر ان لوگوں کا جو اس سے متصل ہے)۔اس کے بعد ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ خیر القرون کی جامع شخصیات کی صحبتیں ناپید ہونے لگیں اور وہ مجاہدات جن سے پہلے دور کے لوگ گزرتے تھے، بوجہ غلبۂ اسلام ختم ہو گئے۔ نتیجتاً دینی معلومات حاصل ہونے کے باوجود عمل کی ظاہری اور باطنی کمزوریاں ظاہر ہونا شروع ہو گئیں۔اس دور میں صوفیاء کی جماعت نے کمر باندھ کر باطنی علوم، باطنی احوال، باطنی کیفیات اور باطنی مقامات کو حاصل کیا، سنبھالا اور دوسروں کو سکھانے کا نظام مرتب کیا۔ صوفیاء کی تربیّت سے گزرنے کے بعد واضح طور پر اہلِ زمانہ کو محسوس ہوا کہ وہ باطنی دولتیں جو ناپید ہو رہی تھیں وجود میں آنے لگیں۔

گزشتہ چودہ سو سالہ تاریخ واضح طور پر بتا رہی ہے کہ دین کے مختلف شعبوں مثلاً درس و تدریس، تصنیف و تالیف، دعوت و تبلیغ، جہاد و قتال، شرعی حکومتوں کا قیام، ان میں سے ہر شعبہ میں کارہائے نمایاں صرف ان لوگوں نے انجام دیے جو ظاہر و باطن کا مجموعہ تھے اور کاملین کے صحبت یافتہ اور تربیت یافتہ تھے۔ ان ہی کے کام پھلے، پھلے، بار آور ہوئے اور اُمت کے لئے کثیر خیر کا ذریعہ بنے۔ غیر تربیت یافتہ لوگ پانی کے بلبلوں کی طرح اُٹھتے رہے اور مٹتے رہے۔اُمت میں فرقہ بندیاں اور اختلافات ان ہی غیر تربیت یافتہ لوگوں کے ذریعے سے پیدا ہوئے۔

تفسیر، حدیث، فقہ، تصوّف پر جتنی کتب آج کے دور میں رائج ہیں، اکثر صاحبِ نسبت کاملین کی ہیں جو ان کے اخلاص کی برکت سے مقبول ہوئیں۔ جبکہ کئی مصنفین کی کتب بلند پایہ ہونے کے باوجود قبول عام کا رُتبہ حاصل نہ کر سکیں۔ وعظ و تبلیغ کے شعبہ کے بارے

میں روایات ہیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلسِ وعظ میں اس وقت کی کم آبادی کے باوجود ایک ایک لاکھ افراد شامل ہوتے تھے۔ حضرت خواجہ معین الدّین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک سفر جو دہلی سے کلکتہ تک ہوا، نوے لاکھ یا نوے ہزار انسانوں کے اسلام میں داخل ہونے کا ذریعہ بنا۔ تاتاری جن کی یلغار نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور مسلمان حکومتوں کی افواج شکست کھا کر مغلوب ہو گئیں، آخر مسلمان علماء اور فقراء کی توجہ، دعوت و دُعاء سے پچاس سال کے اندر حلقہ بگوش اسلام ہوکر اسلام کے خادم بن گئے۔ اس طرح کے پر امن انقلاب کی مثالیں تاریخِ انسانیت میں بہت کم ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ ایسے دور میں تھے جب کہ اکبر نے دین الٰہی کے نام سے اپنا ایک نیا دین شروع کروا دیا تھا اور غالب گمان ہو رہا تھا کہ اسلامی حکومت کا نام ونشان مٹ جائے گا۔ حضرت مجددؒ کی پر امن اور خاموش سرگرمیاں جہانگیر کے دور میں جا کر کامیاب ہوئیں اور جہانگیر توبہ تائب ہوا اور اکبر کے دین الٰہی کا خاتمہ کر کے حضرت مجددؒ کے سلسلۂ مریدین میں داخل ہوا۔ اس کا بیٹا شاہجہان نیک آدمی بنا اور اورنگ زیب عالمگیرؒ کے دور میں یہ انقلاب مکمل ہوا۔ چنانچہ عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ نے پچاس سال مکمل شریعت نافذ رکھی۔ عالمگیر سلسلہ نقشبندیہ میں خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔ صاحب نسبت ہوئے، حافظ قرآن وحافظ حدیث ہوئے۔ نیز بادشاہ ہونے کے باوجود ٹوپیاں سی کر اور قرآن مجید لکھ کر اپنی روزی کمانے والے بنے۔ ہندوستان میں مسلمان بادشاہوں نے شہر اور علاقے تو بعد میں فتح کیے جبکہ مسلمان فقراء نے انسانوں کے قلوب ان سے پہلے فتح کر لئے تھے۔ سلطان محمود غزنوی، شہاب الدّین غوری اور قطب الدّین ایبک نے اسلامی حکومت کے جھنڈے بعد میں گاڑھے جبکہ حضرت علی ہجویریؒ اور حضرت خواجہ معین الدّین اجمیریؒ نے ایمان وتقویٰ کے جھنڈے پہلے سے گاڑھ دیے

تھے۔

تصوّف کے سلاسل آج کے دور سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک مربوط اور مسلسل ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ جبکہ چشتیہ، قادریہ اور سہروردیہ سلسلے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے ہیں۔ محققین کو اندازہ ہے کہ سلاسل سارے صحابہؓ کے موجود تھے زمانہ گزرنے کے ساتھ کچھ کے سلاسل دوسروں کے سلسلوں میں مدغم ہوتے رہے یہاں تک کہ آخر میں ہماری مشرقی دنیا میں چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ اور سہروردیہ ہی رہ گئے۔ جبکہ مغربی اسلامی ممالک میں سلسلۂ شاذلیہ اور کبرویہ زیادہ مشہور ہوئے۔ مسلمانوں کی کثیر تعداد نے سلاسل سے وابستہ ہو کر ان سلاسل کے تربیت یافتہ بزرگوں کے ذریعے ہدایت پائی۔ گزشتہ صدی میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سلسلہ چشتیہ صابریہ کو خاص طور سے مقبولیت عطاء فرمائی اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اس کی بنیاد بنے۔ گزشتہ صدی اور موجودہ صدی میں دِین کے بڑے بڑے شعبوں کو چلانے والے حاجی صاحب ہی کے پیروکار اور متعلقین ہوئے۔

دارالعلوم دیو بند حاجی صاحب کے مشہور خلفاء مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں بنا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی تحریک کی امامت سنبھالی اور معرکہ شاملی میں حاجی صاحبؒ بنفسِ نفیس اپنے مشہور خلفاء مولانا قاسم نانوتویؒ، رشید احمد گنگوہیؒ اور حافظ ضامن شہیدؒ سمیت لڑے۔ جمعیۃ العلماء ہند نے ہندوستان کی سیاست میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ریشمی رومال تحریک شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے ذریعے سے وجود میں آئی جو حاجی صاحبؒ کے سلسلہ کے بزرگ ہیں۔

مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کی

جمعیۃ العلماء اسلام جو پاکستان میں کام کرتی رہی انہیں لوگوں کی جماعت تھی۔ پاکستان بننے میں جن علماء کی کاوشیں شامل رہیں اور جن کے ذریعے سے مسلم لیگ کو زبردست تائید وحمایت ملی وہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد تھانویؒ، حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ تھے جو حاجی صاحبؒ کے خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے وابستگان تھے۔ مولانا الیاسؒ بانی سلسلۂ تبلیغ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے خلفاء میں سے ہیں۔ حضرت سہارنپوری مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خلیفہ تھے جبکہ حضرت گنگوہی حضرت حاجی صاحبؒ کے خلیفہ ہیں۔ ہزارہا دارلعلوم، خانقاہیں (ذِکر وتربیت کے مراکز) پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، یورپ، امریکہ، کینیڈا اور افریقہ میں انہی حضرات کے ہاتھوں وجود میں آئیں۔ ہزارہا دِینی کتب، عربی، فارسی، اُردو، پشتو، بنگلہ، ہندی، انگریزی وفرانسیسی وغیرہ مختلف زبانوں میں ان ہی حضرات کے ہاتھوں تصنیف ہوئیں۔ مشہور ومقبول تحریکِ طالبان جو افغانستان میں اسلامی حکومت کے قیام اور امن و امان بحال کرنے کا ذریعہ بنی واسطہ در واسطہ حضرت حاجی صاحبؒ سے وابستہ ہے۔

بندہ کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانیؒ سابق پروفیسر شعبۂ عربی، پشاور یونیورسٹی فرماتے تھے کہ دارلعلوم دیوبند پر ایک ایسا زمانہ بھی گذرا ہے کہ اس کے شیخ الحدیث سے لے کر چپڑاسی تک سب کے سب ذاکر، شاغل صاحبِ نسبت اولیاء اللہ ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت والا نے فرمایا کہ جو آدمی حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ صرف سیاسی تحریک ہی میں کچھ عرصہ کام کرلیتا تھا تو اس کا باطنی حال بدل جاتا تھا اور اس کو کافی رُوحانی فائدہ حاصل ہو جاتا تھا۔ کیونکہ صاحبِ تحریک خود تربیت یافتہ اور بنے ہوئے انسان تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ مولانا ظفر احمد تھانویؒ کا وفد ریفرنڈم کے سلسلہ میں صوبہ سرحد آیا اور چوک یادگار میں جلسہ کیا، اس میں شامل ہونے سے، بروایتِ

حضرت مولانا اشرف صاحب، صرف ایک مجلس کی حاضری میں کئی ایک آدمی جو تارکِ صلوٰۃ تھے، پکے نمازی بن گئے کیونکہ تحریک والے حضرات نرے سیاسی نہیں تھے بلکہ ظاہرو باطن کا مجموعہ تھے۔

درحقیقت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے سلسلہ کے لوگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ دِین کا کام کرنے کے لئے کسی بھی شعبہ میں جانے سے پہلے بیعت ہوکراور جم کر ذِکرو اذکار، تزکیۂ نفس اوراصلاحِ باطن میں مصروف رہتے تھے۔ جب باطنی تکمیل ہوتی تھی تب کام کرنے کے لئے آگے بڑھتے تھے۔ تصنیف وتالیف، درس وتدریس، ارشادوتبلیغ، افتاء وسیاست، کسی بھی شعبہ میں آدمی کواس وقت تک ذمہ داری نہیں سونپی جاتی تھی جب تک کہ وہ راہِ سلوک سے گزرکرمنازلِ سلوک طےنہیں کرلیتا تھا۔

تزکیہ کے شعبہ کواتنی اہمیت دی گئی کہ کچھ حضرات تو دیگر شعبہ ہائے دِین سے اپنے آپ کومکمل فارغ کرکے، یکسو ہوکر، بڑی بڑی آبادیوں سے دُور ہوکرصرف اسی شعبہ کیلئے وقف ہوگئے۔ حضرت گنگوہیؒ، گنگوہ میں جاکر بیٹھے۔ حاجی امداداللہ صاحبؒ نے حضرت تھانویؒ سے فرمایا کہ جب درس وتدریس سے دل فارغ ہوجائے تو ہماری خانقاہ تھانہ بھون میں جاکر بیٹھ جانا۔ چنانچہ حضرت تھانویؒ کے زندگی کے آخری سال تھانہ بھون ہی میں تزکیہ اور بیعت وارشاد کیلئے وقف ہوکرگزرے۔ حضرت مولانا زکریاؒ نے زندگی کے آخری سال مدینہ منورہ میں مدرسہ شرعیہ میں ہی گذارکرتزکیہ وتربیت کے شعبہ کی مسندکوزینت بخشی۔ حضرت مولانا سید حسین احمدمدنیؒ ساراسال انتہائی مصروف تدریسی وتحریکی زندگی گزارنے کے بعد رمضان کا مہینہ تزکیہ کے لئے وقف فرماتے تھے اور ماہِ مبارک بنگال میں گزارتے تھے۔اسی کا نتیجہ ہے کہ بنگال کے اکثرصوفیاء حضرت مدنیؒ کے خلفاء ہیں۔ان نابغۂ روزگار (Genious) شخصیات کا تذکرہ بطورِمثال پیش کیا گیا، جو

قرآن و حدیث، فقہ وتفسیر پر کامل دسترس رکھنے والی تھیں۔ اس کے علاوہ کئی خانقاہیں حضرات نقشبندیہ، قادریہ وسہروردیہ کی کام کرتی رہیں اور علماء وعوام ان سے فیض پاتے رہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بیعت وتزکیہ کا شعبہ ایسا نظر انداز ہوا کہ عوام تو عوام مدارس سے فارغ ہونے والے عام علماء، نیز مدرسین علماء، ہم عصر دِینی تحریکوں میں کام کر کے کچھ نہ کچھ ظاہری اعمال پر پڑ جانے والے حضرات یا دِینی سیاسی تحریکوں سے وابستہ ہو کر جلسہ جلوس اور اخباری بیانات دینے والے حضرات انہی سرگرمیوں پر اکتفا کر لیتے ہیں۔ بعض حضرات کو تو سلاسل کی معلومات تک نہیں، ان کی افادیت کا قائل ہونا تو دُور کی بات ہے۔ بعض کم فہم، سلاسل والوں کو اپنا مدِ مقابل سمجھ کر تقابل بلکہ مخالفت تک پر اُتر آنے کو آمادہ ہو جاتے ہیں اور یوں ضروری دِینی شعبے جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ اہم ہے اور ایک آدمی بیک وقت کسی ایک کیلئے ہی خاص ہو سکتا ہے، آپس میں توافق (موافقت) اور تحابب (آپس کی محبت) کی جگہ تقابل (آپس کا مقابلہ) وتباعد (ایک دوسرے سے دوری) کا شکار ہو کر ایک دوسرے کی قوت کو گھٹانے کا سبب بن جاتے ہیں۔ محققین کی نظر سے یہ بات اُوجھل نہیں کہ جلوت میں عوام میں دِینی کام کرنے والے حضرات کو باقی لوگوں سے زیادہ خلوت اور ذِکر واذکار میں انہماک اور کاملین کی صحبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سالانہ اعتکاف فرماتے تھے اور روزانہ بھی کچھ نہ کچھ وقت خلوت (تنہائی) کا مقرر ہوتا تھا۔ نیز عوام میں دعوت کا کام کرنے کے بعد قلب پر ایک طرح کا غبار محسوس کرنے کا تذکرہ احادیث میں موجود ہے جس کے لئے آپ تنہائی اختیار فرماتے تھے۔ اس ساری بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ظاہری اعمال کی پابندی کرتے ہوئے اصلاحِ باطن کیلئے ہر فرد و بشر کو متوجہ ہونا پڑے گا۔

اس کے لئے ایک مستقل لائحہ عمل اختیار کرنا پڑے گا۔ شیخِ کامل کو ڈھونڈنے کی ضرورت ہوگی۔ ان سے وابستہ ہوکر ان کی نگرانی میں جتنا وقت ضرورت ہو دے کر مجاہدہ کرنا ہوگا، محنت مشقت برداشت کرنی ہوگی وگرنہ ظاہری اعمال میں بھی کامل اخلاص پیدا نہیں ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆

اصلاحِ نفس

جاننا چاہئے کہ انسان کو بقائے ذاتی (اپنی جان کے باقی رہنے) کیلئے کھانے پینے کی ضرورت ہے، جس کا احساس بھوک پیاس ہے اور کشش کا ذریعہ قوتِ ذائقہ ہے جو اپنے پورا ہونے کیلئے انسان کو کھینچتی ہے۔ بقائے نوعی یعنی نسل کی بقاء کیلئے بیاہ شادی کی ضرورت ہے، جس کیلئے کشش قوتِ شہوانیہ یا قوۃِ باہ (sex) ہے، جس کا مزہ اور خواہش انسان کیلئے پرزور کشش کا ذریعہ بنتا ہے۔ اسی طرح ایک جذبہ بڑا بننے کا اور اپنے مفادات کے تحفظ کرنے کا ہے، جس کیلئے انسان کے اندر قوتِ غضب رکھی گئی ہے، جو انسان کو فعال اور متحرک کر کے کام کراتی ہے۔ انہی تقاضوں اور جذبات سے زندگی وجود میں آتی ہے، زندگی کے افعال وجود میں آتے ہیں اور انسانوں کا ایک اجتماعی معاشرہ قائم ہوتا ہے اور مال، جاہ (اقتدار) باہ (sex) یا دولت، شہرت وعورت کے لئے مقابلہ آرائی شروع ہو جاتی ہے۔ ان جذبات اور ضروریات کی تکمیل اشیائے مادیہ کے ذریعے ہوتی ہے، اس لئے انسان اشیائے مادیہ کے حصول کے لئے مستعد ہوکر کام شروع کر دیتا ہے۔ اگر انسان کے سامنے کوئی ضابطہ اخلاق نہ ہو تو یہ ان مادی اشیاء کو بے مہار ہو کر جھوٹ، فریب، دھوکہ، ظلم، چوری، قتل، ڈاکہ وغیرہ سے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے جذبات کا رُخ کبر، حسد، لالچ، کینہ کی طرف مڑ جاتا ہے۔ حیوانی جذبات، حرص،

شہوت، غضب بے قابو ہو کر انسان کو حیوان بنا دیتے ہیں۔ حیوانوں میں تو عقل نہیں لیکن انسان کی عقل جب حرص، شہوت اور غضب کے تابع ہو کر کام کرتی ہے تو انسان حیوانوں سے بھی ایک قدم آگے نکل جاتا ہے۔ یہ انسان نہ صرف اپنے لئے بلکہ دوسرے انسانوں کیلئے اور پورے معاشرے کیلئے عذاب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ **اولائک کالانعام بل ھم اضل** (ترجمہ: یہ چوپائے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں)

اصلاحِ نفس انسان کے حرص، غضب و شہوت کے جذبات کو قابو میں لانے کا نام ہے۔ اس کیلئے شریعت کا ایک ضابطہ ہے جسے انبیاء علیہم السّلام نے بتایا، سکھایا اور انسانوں کو اس پر عملی طور پر چلایا ہے۔ انبیاء علیہم السّلام نے انسانوں کو سمجھایا کہ دُنیا کا قیام عارضی ہے، چندروزہ ہے، جلد انسان آخرت کو رُخصت ہونے والا ہے۔ مادی اشیاء مقصد نہیں، لذّات و شہوات تھوڑی دیر کی کشش کا سامان ہیں، اصل کام یہاں رہتے ہوئے اپنی تربیت کرنا ہے۔ حرص، غضب و شہوت کو قابو میں لانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نفس کی خواہشات کو مکمل طور پر کچلنے اور ختم کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ ان کے پورا کرنے کیلئے ایک ضابطہ عطا فرمایا ہے۔ اس ضابطے کا پابند ہو کر ان خواہشات کو پورا کرنا، اور ان کے پورا کرنے کے لئے مادی اشیاء کو حرام سے بچتے ہوئے حلال طریقے سے حاصل کرنا شریعت ہے۔ اس ضابطۂ شریعت پر عمل اخلاص اور احسان کے ساتھ حاصل ہو جائے، یہ طریقت ہے۔ اخلاص کی حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ کی رضا کے علاوہ باقی کوئی مقصد نہ ہو۔ جبکہ کیفیتِ احسان اس بات کو کہتے ہیں کہ عمل کے دوران آدمی کو یہ احساس اور آگاہی ہو کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ ان دو باتوں کو حاصل کرنے کے لئے طریقت کے مختلف سلسلوں کے نظاموں میں ایک عملی ترتیب رائج ہے۔ طریقت کی اس ترتیب سے گزر کر اخلاص اور احسان کی کیفیات آدمی کو حاصل ہو جاتی ہیں۔ جب یہ باتیں حاصل ہو جائیں تو اس آدمی کا فہم عقائد، عبادات،

معاملات، اخلاقیات اور معاشرت کے ہر شعبے میں بہت گہرا ہو جاتا ہے۔ یہ گہرائی ہی معرفت ہے اور اس کو حاصل کیا ہوا آدمی عارف ہے۔ معرفت حقیقت سے ہمکنار کر دیتی ہے۔ محقق یعنی جو حقیقت کو حاصل کیا ہوا ہے دنیا و آخرت کے سارے شعبوں کے بارے میں اس کی ترتیب بہت ہی نمایاں ہوتی ہے۔ جس جگہ کوئی محقق ہو گرد و پیش کے سب لوگوں کو اس کی ترتیب کا لوہا ماننا پڑتا ہے اور دنیا کے لحاظ سے یا دین کے لحاظ سے پڑھے لکھے لوگ محسوس کرتے ہیں کہ عارف اور محقق کے پاس ایک جدا چیز ہے جو علم و فہم کے ہوتے ہوئے ہمارے پاس نہیں ہے۔

عالم انسانیت کی تاریخ گواہ ہے کہ جن حضرات نے اپنے آپ کو انبیاء علیہم السّلام کی تعلیمات کا پابند کیا اور کاملین کی صحبت میں رہ کر اپنی تربیت کروائی ان کی دُنیا کی زندگی بھی اہلِ باطل کے مقابلے میں زیادہ کامیاب رہی۔ انہوں نے دُنیا کی مادی اشیاء سے اہلِ باطل کے مقابلے میں زیادہ فوائد حاصل کیئے اور اپنی چاہتوں کو حدود کے اندر رہ کر زیادہ لطف سے پورا کیا۔ جہاں تک آخرت کا تعلق ہے تو وہ تو ہے ہی نیکو کاروں کیلئے۔

حقیقی تصوّف:

حقیقی تصوف تو سالکین کو پوری شریعت پر پورے اہتمام، پورے اخلاص اور کیفیتِ احسان کے ساتھ چلنے کیلئے تیار کرنا ہے۔ اس میں سب سے اہم تو عقائد ہیں۔ امت کا ہر زمانے کا جمہور طبقہ (اکثریت) جن عقائد پر چلا وہ ماتریدی، اشعری، حنبلی ترتیب کے اہل السنّت والجماعت کے عقائد ہیں۔ انہی عقائد پر دنیائے اسلام کے نمائندہ چار امام، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمھم اللہ ہیں۔ صوفیائے کرام کے اساتین (Pillars) خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ احمد سرہندی نقشبندی مجدد الف ثانیؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ انہی عقائد

پر رہے۔ یہی عقائد قرآن و حدیث اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نمائندہ عقائد ہیں۔اہلِ علم کے لئے تو شرحِ عقائدِ نسفی کو بار بار پڑھ کر ان عقائد کو ذہن نشین کرنا چاہئے جبکہ عوام کے لئے ''تعلیم الاسلام'' (حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ) اور بہشتی زیور (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ) ان کے حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ان عقائد کا ایک پہلو تو اُن کی صحیح معلومات حاصل کر کے اُن کو ماننا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔قرآن مجید میں جہاں پر بھی اللہ کا ہاتھ، اللہ کا چہرہ آیا ہے وہ تمثیل ہے قرآن پاک کی ایسی آیات کو آیاتِ متشابہات کہتے ہیں۔اُن کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا ہوتا ہے کہ اِن کی جو حقیقت، جو تشریح جنابِ باری میں ہے جس کو ہم اپنے محدود ذہن کی وجہ سے سمجھ نہیں پا رہے لیکن اس کو ایسا ہی مانتے ہیں جیسا اللہ تبارک و تعالیٰ کا منشا ہے۔یا اس طرح کے عقائد جس طرح اللہ کو ایک ماننا، اللہ کے غیر کے آگے سجدہ نہ کرنا، اللہ کے غیر کے نام پر ذبیحہ نہ کرنا، اللہ کے غیر کے نام کی منت نہ ماننا یہ عقائد معلوماتی ہیں۔صحیح معلومات حاصل ہوں اور اُن کو مان لیا جائے اور ان کے مطابق عمل کیا جائے۔ان عقائد کیلئے اتنی ہی بات ضروری ہے۔عقائد کا دوسرا پہلو اللہ تعالیٰ کی صفات کا پختہ یقین قلب میں جمنا اس طور سے کہ اللہ کے غیر کی محبت، اللہ کے غیر کا خوف دل سے نکل جائے، اللہ کے غیر سے نفع و ضرر نہ پہنچنے کا دھیان قلب میں جم جائے، جنت کی رعنائیاں اور دوزخ کی ہولناکیاں تصور میں بیٹھ جائیں اور زندگی گزارنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہی ایسے آنکھوں میں بچ جائے کہ آپ کے علاوہ کسی کے طریقے کا تاثر ہی قلب میں نہ رہے۔بروزِ محشر اللہ کے حضور کھڑے ہو کر حساب کتاب دینا خیال میں رچ بس جائے۔عقائد کا یہ رخ صرف معلوماتی نہیں ہے بلکہ عقائد کے اس رُخ کو قلب میں لینے کے لئے اہلِ تصوف مجاہدات سے گزارتے ہیں۔

عقائد میں سب سے پہلے ایمان ہے۔توحید، رسالت اور آخرت تو ایمان کی بنیاد ہیں جبکہ دیانت، امانت، صداقت، غیرت، حیا، طہارت، وعدے کی پاسداری، یہ اجزائے ایمان ہیں۔اپنے پشاور کے قیام میں گردوپیش کے غیر محققین سلاسل کے لوگوں کے ساتھ جب ملاقاتیں ہوئیں اور معاملات پیش آئے تو باوجود دستار، جبہ، ڈاڑھی اور سلسلے کی خلافت کے توحید اور دیانت وامانت کے لحاظ سے بہت کمزور پایا۔اس سے یہ تأثر ہوا کہ غیر محقق لوگ سلسلے کے ذکر کا نصاب مکمل کرا لیتے ہیں اور ظاہری تبدیلی آجائے تو خلافت دے دیتے ہیں۔ جبکہ توحید ناقص ہو اور اجزائے ایمان آدمی کو پوری طرح حاصل ہی نہ ہوں تو ایسا آدمی تو بنا ہی نہیں، بہت ہی ناقص ہے، شخصیت مکمل ہی نہیں ہوئی۔ جب ایمان درست نہیں ہوا تو اگلی بات کیسے ہو سکے گی۔ بندہ کے متعلقین میں سے ایک پروفیسر صاحب نے ایک تبلیغی امیر صاحب کو بطور خارجی ممتحن (External Examiner) بلایا۔ ہمارے ساتھی نے بتایا کہ امیر صاحب نے فیل ہونے والے طالب علم کو زبانی امتحان (Viva) میں فرسٹ پوزیشن کے نمبر دیئے۔ ساتھی نے بندہ سے شکایت کی۔ بندہ نے جواب دیا جب ایمان اور اجزائے ایمان کا امیر صاحب کو پتہ ہی نہ ہو اور امانت اور دیانت کے خلاف استعمال ہونے کا گناہِ کبیرہ کا تصور ہی نہ ہو تو وہ بے چارہ کیا کرے گا۔شرعی شکل وصورت ہو جانے اور اوقات با قاعدہ لگانے سے وہ خود اور اُس کے تحریک والے مطمئن ہیں۔

ایک پروفیسر صاحب نے گلہ دیا کہ بطورِ حقدار (merit wise) میرا حق بنتا تھا۔حکومت ایسے لوگوں کی تھی کہ خیال تھا کہ کہنے سننے کی ضرورت ہی نہیں ہے، ضرور حق کا فیصلہ ہوگا۔ جب فیصلہ سامنے آیا تو مجھ سے جونیئر آدمی کو لے لیا گیا تھا۔ متعلقہ افسروں سے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ محکمے کے وزیر کی وجہ سے ایسے ہوا۔ وزیر سے جب پوچھا گیا تو اس

نے بتایا کہ فلاں شیخ الحدیث صاحب کی سفارش پر میں نے ایسا کیا۔ شیخ الحدیث صاحب کا بیان تھا'' میں کیا کرتا، دوسرے آدمی نے میرے بیٹے کی شادی میں تیس ہزار روپے خرچ کئے ہوئے تھے جس کی وجہ سے میری آنکھیں اس کے آگے جھکی ہوئی تھیں''۔ ایک آدمی نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ امانت اس کے اہل کو پہنچانے کی آیتیں اور حدیثیں شیخ الحدیث صاحب نے جار مجرور کی ترتیب کو درست کرتے ہوئے تیس سال تک پڑھائی ہوں گی لیکن اس علم کو عملی طور پر برتنے کا انھیں صرف ایک ہی موقع ملا جس سے فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ امانت دیانت کا پڑھنا پڑھانا کچھ اور ہے، کرنا برتنا کچھ اور ہے۔

ایک مرید جو کہ سپیشلسٹ ڈاکٹر ہیں نے اپنا دکھڑا سنایا کہ انھوں نے تین بار انٹرویو دیا۔ میرٹ لسٹ میں وہ ہر دفعہ نمبر ایک پر ہوتے تھے۔ یار لوگ انٹرویو میں ایسے ہتھکنڈے استعمال کرتے کہ اس سے نیچے والے منتخب ہو جاتے تھے جب کہ وہ رہ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ انٹرویو کے لئے ایک چلّے لگائے ہوئے امیر صاحب بطورِ ماہرِ مضمون (Subject Specialist) کے آئے۔ اگر وہ ان ڈاکٹر صاحب کو صرف پاس ہی کر لیتے بلکہ صرف ایک نمبر انٹرویو کا دیتے تو یہ سلیکٹ ہو رہے تھے۔ انھوں نے تو کمال کر دکھایا کہ صفر نمبر دے کر مکمل فیل کیا۔ بعد میں بطور معذرت کہا آپ ناراض نہ ہوں اور عدالت بھی نہ جائیں، میں کیا کروں، ایسا کرنے کے لئے مجھے اوپر والوں نے مجبور کیا، حالانکہ اس طرح کرنے سے اس سبجیکٹ سپیشلسٹ صاحب کو سوائے تبدیلی کے اوپر والے افسران اور وزراء اور کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ بندہ نے مرید کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ امیر صاحب نے توحید کو تو بہت بولا تھا لیکن توحید کو برتنے کا موقع صرف اس جگہ ملا تھا۔ توحید کو بولنا کچھ اور ہے اور برتنا کچھ اور۔

اپنے سلسلے کے ایک دوسرے صاحب نے گلہ دیا کہ ایک سلسلہ کے خلافت یافتہ

پروفیسر صاحب کو امتحان کے لئے لایا گیا۔ اُس مبارک آدمی نے طلباء سے نقل بھی کروائی اور خالی پرچوں والوں کو پاس بھی کیا۔ بندہ نے عرض کیا کہ غیر محقق سلاسل والے جب ذکر کا نصاب مکمل کرلیں اور پگڑی ڈاڑھی سے آراستہ ہوجائیں تو اسی پر اکتفا کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں۔

حالانکہ حقیقتِ حال کو دیکھا جائے تو حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی خطبہ شاید ہی ایسا ہو جس میں آپ نے یہ نہ فرمایا ہو **لا ایمان لمن لا امانت لہٗ و لا دین لمن لا عھد لہ** یعنی جس میں امانت نہیں اس کا ایمان نہیں اور جس کا عہد (وعدہ) مضبوط نہیں اس کا دین نہیں (مشکوٰۃ)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار عادتیں ایسی ہیں جس میں وہ جمع ہوجائیں تو وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان چاروں میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اس کا حال یہ ہے کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے اور وہ اسی حال میں رہے گا جب تک اس عادت کو چھوڑ نہ دے۔ وہ چار عادتیں یہ ہیں: جب اس کو کسی امانت کا امین بنایا جائے تو اس میں خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب عہد اور معاہدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، جب کسی سے جھگڑا اور اختلاف ہو تو بدزبانی (گالی گلوچ) کرے۔ (بخاری، مسلم) مختلف احادیث میں یہ بات آئی ہوئی ہے کہ جس کے اجزائے ایمانی درست نہیں اس کا فرض، واجب، سنت کوئی عمل خدا تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا حالانکہ اس کے علم میں تھا کہ دوسرا آدمی اس عہدہ کے لئے اس سے زیادہ قابل اور اہل ہے تو اس نے اللہ کی خیانت کی اور رسول اور سب مسلمانوں کی۔ (معارف القرآن جلد دوم، ص ۴۴۷)

ایک دوسری حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی و تعلق کی مد میں بغیر اہلیت معلوم کیئے ہوئے دے دیا اس پر اللہ کی لعنت ہے، نہ اس کا فرض مقبول ہے نہ نفل، یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائے۔ (جمع الفوائد، ص ۳۲۵، بحوالہ معارف القرآن جلد دوم، ص ۴۴۷)

سِتَّةُ اَشْیاءٍ تُحْبِطُ الاَعْمَالَ اَلْاِشْغَالُ بِعُیُوْبِ النَّاسِ و قَسْوَۃُ الْقَلْبِ وَ حُبُّ الدُّنْیَا وَ قِلَّةُ الحَیاءِ وَ طُوْلُ الْاَمَلِ وَ ظَالِمٌ لَّا ینتھی .

ترجمہ: چھ چیزیں ہیں جو اعمال کو ضائع کرتی ہے۔(۱) لوگوں کے عیوب تلاش کرنا (۲) دل کی سختی (۳) دنیا کی محبت (۴) حیا کی قلت (۵) امیدوں کا طویل ہونا (۶) اور وہ ظالم جو اپنے ظلم سے باز نہیں آتا۔ (بکھرے جواہر از مولانا محمد امین دوست، ص ۲۷۹، بحوالہ فردوس لدیلمی)

ایک اور حدیث شریف میں ہے الحیاء شُعْبَة" مِّنَ الایمان (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حیاء ایمان کا (ایک خصوصی) شعبہ ہے۔

دوسری حدیث شریف کا ترجمہ ہے تین آدمی جنت میں نہیں جائیں گے۔(۱) ماں باپ کا نافرمان (۲) دیوث اور (۳) مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتیں۔

(کتاب الکبائر کا اردو ترجمہ، ص ۲۲۲، از مولانا محمد صدیق ہزاروی، ص ۳۲۷، بحوالہ سنن نسائی)

[دیوث بے غیرت کو کہتے ہیں جو خود اپنی بیوی، بیٹی، بہن کے ناموس کی حفاظت نہیں کرتا۔ فیروز اللغات فارسی اردو، ص ۴۴۲]

اس حدیث شریف اور ایک اور حدیث شریف کو ترجمہ کے ساتھ لکھنے کے بعد فاضل مترجم لکھتے ہیں حضرت مصنف (علامہ ذہبیؒ مراد ہے) فرماتے ہیں جو شخص اپنی بیوی کے بارے میں بے حیائی کا گمان رکھتا ہے اور اس کی محبت کی وجہ سے اس بات سے غفلت برتتا ہے یا اس ڈر سے کہ اس عورت کا اس پر قرض ہے اور وہ عاجز ہے یا بھاری مہر ہے یا چھوٹے بچے ہیں اور وہ اسے قاضی کے پاس لے جا کر ان بچوں کا حق مانگے گی تو وہ شخص کمینہ ہے جو اس خرابی کو نظر انداز کرتا

ہےاور جس شخص میں غیرت نہ ہواس میں کوئی بھلائی نہیں۔ (حوالہ بالا،ص ۲۲۳،بتغیر یسیر)

توحید اور اجزائے ایمان کے اس پہلو کو حاصل کرنے کے لئے تصوف کے مجاہدات ہیں۔ وہ مشائخ کاملین جن کو باطن میں یہ بات حاصل ہوتی ہے جب تاثر میں ڈوب کران باتوں کو بیان کرتے ہیں تو ان کے ملفوظات ومواعظ کے الفاظ جہاں کانوں کو ٹکراتے ہیں اور ذہن اُن کے معانی کومحسوس کرتا ہے وہاں اُن کے قلوب سے اُٹھنے والی نورانی شعاؤں اورلہروں کا پرتو،عکس اورتاثر آدمی کے قلب پر آتا ہے۔حضرات کاملین کی کتابوں کا مطالعہ بھی اس چیز کا قلب میں پیدا ہونے کا ذریعہ ہوتا ہے۔کاملین اور محققین مشائخ کے قرآن وحدیث کے درس قلب میں اس بات کے زندہ ہونے کا سبب بنتے ہیں۔ ہمارے سلسلے کا جہری ذکرجس میں ہرلا کے ساتھ اللہ کے غیر کے دھیان اور محبت کو قلب سے نکلتا ہوا تصور کرکے اِلّا اللہ کے ساتھ اوپر تذکرہ کئے ہوئے حقائق کا قلب میں لانے کا دھیان کرنا دراصل اسی چیز کو قلب میں زندہ کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ جب اس طرح کا ذکرایک عرصہ تک ہوتا ہےتو یہ بار بار کا دھیان اس کیفیت کوقلب میں راسخ اور پکا کردیتا ہے۔ جب ان عقائدکو برتنے کا موقع آئے تو جھوٹ میں اگرچہ بظاہر فائدہ نظرآرہا ہو ہمت کرکے، کمر باندھ کےاور اللہ کا نام لے کر سچ کواختیارکرتے ہوئے خطرات میں کُود جانااس چیز کی عملی مشق ہے۔ نیز حضرات مشائخ کے پاس جب آدمی رہتا ہےاوروہ زندگی کے مختلف کاموں میں انتہائی جرأت اور ہمت کے ساتھ ان عقائدکو برتتے ہیں اوراپنے یقین کی وجہ سے کامیاب نتائج حاصل کرتے ہیں تو قلب میں عقائد کا یہ پہلو پکااور راسخ ہو جاتا ہے۔اور جب وہ اپنی عملی زندگی میں ان عقائد کے لئے اپنے اہم مفاد اور مزے قربان کرتے ہیں اور ہرقسم کی تکالیف اور پریشانیاں اُٹھانے کے لئے سینہ سپر ہوجاتے ہیں تواس سے ان عقائد کا حال باطن میں چھا جاتا ہے۔عقائد کی کمزوری اعمال پر بہت اثر

ڈالتی ہے۔اس لئے عقائد کی درستگی ایک اہم کام ہے۔

دین کا دوسرا شعبہ عبادات کا ہے۔عبادات کے سلسلے میں تو اپنے آپ کو کوشش کر کے بلکہ جبر کے ان کا پابند کرنا ہوتا ہے تاکہ یہ عادت بن جائیں۔اس کیلئے مشائخ مریدوں کو کچھ وقت فارغ کرا کے خانقاہی نظام میں رکھتے ہیں اور ایک عرصہ معمولات کا پابند رکھتے ہیں جس کے نتیجے میں نماز باجماعت تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ،مقررہ نوافل اپنے اوقات پر، ذکر اپنی مقررہ ترتیب سے کروا کے نفس کو اس کا عادی کر لیتے ہیں۔

تیسرا شعبہ معاملات کا ہے۔خرید وفروخت ،نکاح طلاق،اجارہ ملازمت کے رخ سے جو باتیں انسان پر لازم آتی ہیں اُن کا ادا کرنا معاملات کا شعبہ ہے۔معاملات درست نہ ہوں تو انسان عبادات کی شکل میں اجر وثواب کے جمع کئے ہوئے انبار معمولی معمولی حقوق و واجبات کے بدلے میں آخرت میں کھو بیٹھے گا۔محققین کا قول ہے کہ عبادات تھوڑے سے ایمان اور تھوڑے سے خوفِ خدا کے حاصل ہونے پر زندگی میں آجاتی ہیں جبکہ معاملات کے لئے قوی ایمان اور بہت خوفِ خدا کی ضرورت ہوتی ہے۔ عقیدے اور ایمان کا امتحان تو معاملات میں ہی ہوتا ہے۔مشائخ کاملین سالکین کے معاملات پر گہری نگاہ رکھتے ہیں اور معاملات کی کوتاہی اور احتیاط پر سالکین و مریدین کی باطنی ترقی وتنزل کا امتحان کرتے رہتے ہیں۔اس لئے حضرت حکیم الامت، مجدالملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تہجد اور ذکر واذکار کے معمولات کے ناغے پر اتنا ناراض نہیں ہوتے تھے جتنا معاملات کی کوتاہی پر ہوتے تھے۔

دین کا چوتھا شعبہ اخلاقیات ہیں عام لوگوں میں تو اخلاقیات صرف میٹھی میٹھی باتیں کرنے کو ہی سمجھا جاتا ہے۔جبکہ دین میں یہ ایک پورا شعبہ ہے اخلاق دو قسم کے ہوتے ہیں، اخلاقِ فاضلہ اور اخلاقِ رذیلہ۔اخلاقِ فاضلہ جیسے توکل، صبر،شکر، قناعت، اخلاص،

تواضع وغیرہ ہیں اور اخلاقِ رذیلہ کبر، حسد، لالچ، کینہ، ریا وغیرہ ہیں۔ انسان کے ظاہری نیک یا بد اعمال ارادے کے تحت وجود میں آتے ہیں اور ارادہ انسان کے قلب میں پڑے ہوئے عقائد اور جگہ پکڑے ہوئے اخلاق سے وجود میں آتا ہے۔ جھوٹ، غیبت، چغلی، خوشامد، کم تولنا، حق کے خلاف فیصلے کرنا خراب عقائد اور خراب اخلاق کی بنیادوں سے ہی اٹھتے ہیں۔ دو واقعات کا بندہ ضرور ذکر کرنا چاہتا ہے۔ ایک ساتھی ملنے کے لئے آئے تعارف کرایا گیا کہ کسی سلسلہ میں صاحبِ خلافت ہیں۔ بندہ نے پوچھا آپ فلاں دارالعلوم کے پاس رہتے ہیں؟ انہوں نے فوراً دارالعلوم کے مہتمم کی خیانتوں کی ایسی غیبت شروع کی کہ خدا کی پناہ۔ اندازہ ہوا کہ ذکر اذکار کا نصاب پورا کروا کر اور پگڑی بندھا کر خلافت دے دی ہے جبکہ غیبت جیسے قبیح عمل کی خلیفہ صاحب کو عادت ہے۔ ایک حج کے سفر میں بندہ کے مہربان ڈاکٹر سیار صاحب ایک ساتھ کو لے کر آئے اور تعارف کروایا کہ فلاں بزرگ کے خلیفہ ہیں۔ بڑی خوشی ہوئی کہ ساتھ رہیں گے تو فائدہ ہوگا۔ جوں ناشتے پر بیٹھے کسی آدمی کا اتفاقی تذکرہ آگیا۔ خلیفہ صاحب نے فوراً کہا کہ یہ آدمی بہت گھناؤنے فعل میں گھِر گیا جس کی وجہ سے اس نے خودکشی کی۔ ہم احرام باندھے ہوئے حاجی نہ بیٹھ سکتے تھے نہ بھاگ سکتے تھے۔ اندازہ ہوا کہ اتنے موٹے اور ظاہری کبیرہ گناہ سے خالی کئے بغیر ان کو محض ذکر کا نصاب پورا کرنے اور شکل وصورت تبدیل کرنے پر خلافت دے دی گئی ہے۔

اخلاق بھی عقائد کی طرح ایک مہم شعبہ ہے جس میں اہلِ تصوف کام کرتے ہیں اور سالکین کی ایسی تربیت کرتے ہیں کہ اُن سے اخلاقِ رذیلہ کو نکالتے ہیں اور اخلاقِ فاضلہ اُن کے اندر داخل کرتے ہیں۔ اس چیز پر مہینے اور سال لگتے ہیں۔ ایک ایک رذیلہ دور کرنے کیلئے مہینوں سالوں مشقت کرائی جاتی ہے۔ ایک ایک فضیلت حاصل کرنے کیلئے اسی طرح کی مشقت ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ سالک اخلاقِ فاضلہ کو حاصل کر لیتا ہے اور

اخلاقِ رذیلہ سے نجات پالیتا ہے۔

دین کا پانچواں شعبہ معاشرت ہے۔ دوسروں سے ملنا جلنا، بات چیت کرنا، مہمان بننا، میزبانی کرنا، دکاندار سے بات کرنا، گاہک سے بات کرنا، گھر میں بیوی بچوں سے رویہ، ماں باپ بہن بھائیوں سے بات چیت، مسجد جانا آنا، چوپال، حجرہ میں بیٹھنا، دفتر میں ماتحتوں، افسروں اور رفقائے کار کے ساتھ رویہ، راستے پر آتے جاتے، گاڑی چلاتے عام مخلوقات کے ساتھ رویہ، گاڑیوں، ریلوں اور جہازوں میں سفر کرتے ہوئے ہمسفروں کے ساتھ رویہ، یہ ساری باتیں معاشرت کے شعبے میں آتی ہیں۔ معاشرت ایک نفیس شعبہ ہے اور معاشرتی لحاظ سے تربیت یافتہ آدمی اور تربیت یافتہ معاشرہ جنت کا نمونہ ہوتے ہیں۔

؎ بہشت آں جا کہ آزارے نہ باشد
کسے را با کسے کارے نہ باشد

ترجمہ: جنت وہ جگہ ہے جہاں تکلیف اور آزار نہ ہو اور کسی کو کسی کے ساتھ کام نہ ہو (یعنی تلخی، تناؤ اور الجھاؤ نہ ہو)۔

ایک دفعہ بندہ کے شیخ کی مجلس میں ایک شخص آیا جس کے بارے میں ساتھیوں نے بتایا کہ بہت ذاکر شاغل ہے اور اس کو بہت کشف ہوتا ہے۔ کچھ واقعات سے ثابت ہوا کہ واقعی بہت کشف ہوتا ہے لیکن یہ صاحب مجلس میں بات کرتے ہوئے دوسرے کی بات کو کاٹ لیتے تھے۔ حضرتؒ نے ساتھیوں کو بتلایا کہ کشف تو ہے لیکن کسی کامل اور محقق کی بیعت، صحبت اور تربیت سے گزرے ہوئے نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ مجلس میں دوسرے کی بات کاٹ کر دل آزاری کرنا معاشرتی تربیت نہ ہونے کی علامت ہے۔ کسی سے ملنے کے لئے اس کے آرام کے وقت چلے جانا، بغیر وقت لئے چلے جانا، جتنا وقت لیا ہے اس سے

زیادہ بیٹھے رہنا، بن بلائے یا بغیر اجازت کے کسی جگہ جا دھمکنا معاشرتی کوتاہیاں ہیں۔ ایسی چیزیں اس بات کی علامت ہوتی ہیں کہ آدمی کی محققین کے ہاتھ میں تربیت نہیں ہوئی ہے۔

حقیقی تصوّف صرف اتنی سی بات ہے کہ

۱) عقائد درست ہو جائیں اور اُن عقائد کا حال باطن پر طاری ہو کر پکا اور راسخ ہو جائے۔

۲) سالک عبادات کا پابند ہو جائے۔

۳) معاملات میں محتاط ہو جائے۔

۴) باطن رذائل سے پاک ہو جائے۔

۵) باطن فضائل سے متصف ہو جائے۔

۶) کثرتِ ذِکر سے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا دھیان چھا جائے۔ (جسے نسبتِ یاداشت بھی کہتے ہیں)

۷) جھوٹ، غیبت، چغلی اور اس طرح کے دوسرے گناہ جو اختیاری ہیں ان کو یکسر ترک کر دے۔ اگر عادت ہے تو مشائخ سے تفصیلی مجاہدات پوچھ کر ان عادتوں کو دور کرے۔

۸) روزمرّہ کے کاموں میں سنتوں اور آداب کی پابندی حاصل ہو جائے۔

نسبت: مندرجہ بالا باتیں انسان کی طرف سے ہیں۔ جب یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جائے تو انسان کو اللہ تعالیٰ اپنی رضا اور خوشنودی عطا فرما کر اپنے خاص بندوں میں شامل کر لیتے ہیں۔

ے
جسے چاہا در پہ بلالیا جسے چاہا اپنا بنا لیا
یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے

یہ چناؤ اور انتخاب نسبت کہلاتا ہے۔

مقاصد و ذرائع:

چاروں سلاسل (چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ) اس چیز کو حاصل کرنے کے راستے ہیں۔ ہر ایک طریقے میں اس بات کو حاصل کرنے کے لئے کچھ مقاصد ہیں اور کچھ ذرائع ہیں۔ حضرات چشتیہ اور قادریہ کا طریقہ ذِکر میں جہر (زور سے) کرنا اور گردن و بدن کو حرکت دے کر ضرب لگانا ہے۔ اسی طرح حضرات نقشبندیہ کا لطائف پر ذِکر کرنا اور انہیں جاری کرنا ذرائع ہیں، مقاصد نہیں۔ کسی بھی محقق نے انہیں مقصد نہیں گردانا۔ ان کے ذریعے سے آدمی بدن پر اثرات محسوس کر لیتا ہے، جس سے یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے اور کام آسان ہو جاتا ہے۔ ان ذرائع کو مقصد سمجھنا ان ذرائع پر دِینی اعمال کی طرح ثواب کی نیت کرنا اور ان کو دِینی اعمال گرداننا انہیں بِدعت بنا سکتا ہے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت مولانا اشرف خان صاحبؒ نے بندہ سے اور چند دوسرے دوستوں سے ازراہِ مزاح فرمایا کہ ذِکرِ قلبی سننا چاہتے ہو۔ حضرت نے زبان اور منہ بند فرمائے اور فرمایا میرے قلب پر دھیان کرو۔ واضح طور پر قلب سے ذِکر کی آواز بندہ نے اور دوسرے ساتھیوں نے سنی۔ بعد میں حضرت نے فرمایا حقیقت میں یہ ذِکرِ قلبی نہیں بلکہ یہ ایک مشق ہے۔ حقیقتاً ذِکرِ قلبی یہ ہے کہ قلب میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے اور ساتھ ہونے کا دھیان ہو اور یہ دھیان معصیت سے روک دے اور اطاعت پر کھڑا کر دے۔

نتائج و زوائد:

اسی طرح تربیت کے نتیجے میں حاصل شدہ نتائج میں بھی کچھ مقاصد ہیں اور کچھ

زوائد ہیں۔ مقاصد تو پہلے بیان شدہ باتیں ہی ہیں۔ کشفِ قبور (قبروں کا حال جان لینا)، کشفِ صدور (دلوں کا حال جان لینا)، کشفِ کونی (دُنیا میں آنے والے حالات کا جان لینا)، دم یا تعویذ گنڈے میں تاثیر ہونا، جنّات پکڑنا اور دُور کرنا، بیماریوں کو سلب کر لینا، تصرّف سے دوسرے کے دل میں کچھ بات ڈال دینا، توجہ سے دوسرے کے دل کو ہلا دینا اور لوٹ پوٹ کر دینا اور ہوش وحواس اُڑا دینا، ان کا مقصد کے ساتھ اور تعلق مع اللہ سے زیادہ واسطہ نہیں۔ آج کل مسمریزم، ٹیلی پیتھی، ہپناٹزم، ارواح کو معطل کرنا، ارواح کو حاضر کرنا، ارواح سے رابطہ کرنا وغیرہ اہل کفر بھی کرنے لگے ہیں اور مابعد الطبیعات (Metaphysics) اور پیراسائیکالوجی (Para-Psychology) کی شکل میں یہ چیزیں سامنے آ گئی ہیں۔ عامل حضرات کچھ آیات وظائف وغیرہ کا تکرار کر کے اور کچھ چلہ کشی وغیرہ کر کے نیز نمک، گوشت، میٹھے وغیرہ سے پرہیز کر کے یہ چیزیں حاصل کر لیتے ہیں۔ اس لئے عامل اور کامل میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ عامل ڈاکٹر و معالج یا انجینئر یا وکیل کی طرح ایک فن کو سیکھے ہوئے ہے، جو ایک دُنیا داری کا کام ہے اور جس کا ولایت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، بلکہ اہل اللہ اس قسم کی قوتوں کو حاصل کرنے کی نیت کر کے مجاہدہ کرنے کو دُنیا داری کہتے ہیں۔

اسی طرح دل پر رقت (نرمی) طاری ہونا، رونا دھونا، اذکار میں لطف و مزہ آنا، بغیر کوشش کے تہجد کیلئے خود بخود آنکھ کھل جانا، سچے خواب نظر آنا، جوش وخروش طاری ہونا، ھُوحق کے نعرے بلا اِرادہ نکلنا، یہ چیزیں محمود (اچھی) تو ہیں لیکن مقصود نہیں اور انسان کے اختیار سے باہر ہیں، کبھی ہوں گی کبھی نہیں ہوں گی، ان کا کمال کے ساتھ زیادہ تعلق نہیں۔ اسی بنا پر محققین بجائے ان چیزوں کے، ظاہر میں سنت کی پابندی اور باطن میں رذائل سے پاکیزگی اور فضائل سے متصف ہونے کو زیادہ دیکھتے ہیں۔ نیز افعال اور اعمال میں اللہ

تعالیٰ کے دھیان کا امتحان لیتے ہیں۔ بعض مرتبہ دیکھنے میں آیا ہے کہ مجلس میں خوب ھُوحق کے نعرے لگانے والے اور رونے دھونے والے افراد کے ساتھ جب معاملہ پیش آیا تو اوروں سے زیادہ دُنیا دار ثابت ہوئے۔ اس لئے یہ محققین کا اُصول ہے کہ انفعالات (رونا دھونا) مقصد نہیں بلکہ اخلاص والے اعمال مقصد ہیں۔ بعض سالکین کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ تقاضا ہائے بشری مکمل طور پر ختم ہو جائیں اور اس کو وہ کمال سمجھتے ہیں۔ جب تک یہ بات نہ ہو جائے وہ سمجھتے ہیں کہ اصلاح نہیں ہوئی اور کمال حاصل نہیں ہوا۔ تو جاننا چاہئے کہ تقاضا ہائے بشری موت تک ساتھ لگے رہیں گے، مکمل خاتمہ نہیں ہوگا۔ بس اندر اُٹھنے والے تقاضے کی پرکھ، کہ وہ شریعت کے موافق ہے یا نہیں، اور پھر اس تقاضے پر اگر شریعت کے خلاف ہے عمل نہ کرنا، اصلاح اتنی ہی چیز ہے۔

اب ساری بحث کو سمیٹتے ہوئے خلاصہ کے طور پر عرض ہے کہ اعمالِ ظاہری اختیاری ہیں، اپنے اختیار کو استعمال کر کے فرائض وواجبات، سنن ومستحبات کو اختیار کیا جائے اور حرام، مکروہ تحریمی وتنزیہی وخلاف اولیٰ باتوں کو چھوڑنا بھی اختیاری ہے، ان کو اپنے اختیار کو استعمال کر کے چھوڑا جائے۔

اعمالِ باطنی اس رُخ سے اختیاری ہیں کہ مثلاً کبر کا رذیلہ تو باطن میں ہے لیکن وہ کسی ظاہری عمل کا تقاضا کرے گا۔ مثلاً وہ تقاضا کرے گا کہ فلاں تجھ سے درجہ میں چھوٹا ہے اسے سلام نہ کر، اس کے ساتھ بے توجہی سے بات کر، گال پھلا کر (Sour Faced) اس سے مل۔ اب اصلاح اسے کہتے ہیں کہ آدمی کو آگاہی ہو جائے کہ میرے باطن میں جو کبر کا رذیلہ ہے وہ اس برے عمل کا تقاضا کر رہا ہے اب اپنے اختیار کو استعمال کر کے اس تقاضے کے خلاف عمل کرے اور نفس کی چاہت کو کچل دے، اس طرح اعمالِ باطنی بھی اختیاری ہوئے۔ اس جگہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کا قول فائدہ سے خالی نہیں ہوگا

فرمایا: اَلْاِنْسَانُ لَا یُعَابُ بِمَا فِیْ طَبْعِہٖ اِنَّمَا یُعَابُ اِذَا فَعَلَ بِمَا فِیْ طَبْعِہٖ (یعنی جب تک کوئی بیماری (رذیلہ) انسان کی طبیعت میں رہے اس وقت تک وہ کوئی عیب نہیں ہاں جب وہ طبیعت کی اس بات پر عمل کرلے تو یہ عیب کی بات ہے) یہ بعینہٖ وہ بات ہے جو حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے مواعظ وملفوظات میں ہے کہ جب تک رذائل کے مقتضاء پر عمل نہ کیا جائے اس وقت تک وہ رذائل مضر نہیں۔

(جہانِ دیدہ صفحہ ۳۱، مولانا تقی عثمانی)

اس بات کی مزید تائید درج ذیل حدیث میں بھی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِیْ مَا حَدَّثَتْ بِہٖ اَنْفُسَھَا مَا لَمْ تَعْمَلْ اَوْ تَتَکَلَّمْ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے معاف کیا میری اُمت میں سے ان (گناہ کی خواہشات و اِرادہ) کو جن کے بارہ میں نفس گفتگو کرتا ہے، جب تک کہ انسان اس کا کلام نہ کرے یا اس پر عمل نہ کرے۔''

مقصود ظاہری و باطنی اعمال ہیں، جب ظاہری و باطنی اعمال حاصل ہو گئے تو اصلاح حاصل ہوگئی۔ لہٰذا اس فکر میں نہیں رہنا چاہیئے کہ رونا دھونا، ذِکر میں مزہ، کشف حاصل ہونا، توجہ و تصرّف حاصل ہونا وغیرہ تو ہوا نہیں کیونکہ وہ غیر مقصود ہیں۔ بشری تقاضوں اور باطنی رذائل کے مکمل خاتمے کا انتظار بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ باطنی رذیلے پر آگاہی، پھر اس کے تقاضے کے خلاف عمل کرنا، یہ حاصل ہوگیا، اصلاح اتنی ہی چیز ہے۔ یہی وہ حقیقی تصوّف ہے جسے سلف نے سیکھا یا اور آخرت کی نیت سے مسلمان اور انسان بننے کیلئے اتنی سی بات کی ضرورت ہے۔ اب اگر بڑا بزرگ بننا اور کوئی حیثیت حاصل کرنا اور مافوق الفطرت (Supernatural) شخصیت بن جانا، اس طرح کی چیزوں کو کوئی

حاصل کرنا چاہے تو یہ ایک طرح کی دُنیا داری کی نیت ہے۔ مقاصد اور حقائق کو نہ سمجھتے ہوئے غیر مقصود اشیاء کو مقصد جاننا اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور ظاہر و باطن کے اعمال کے بجائے اضافی چیزوں اور انفعالات کو مقصد جاننے کے نتائج ایسے عجیب ہیں کہ تاریخ شاہد ہے کہ تصوّف کے نام پر اہلِ باطل نے جب کبھی حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کی ہیں تو وہ توجہ اور تصرّف کے راستے سے کی ہیں۔ مثلاً مسیلمہ کذاب، اسود عنسی کی جھوٹی نبوتیں ہوں یا حسن بن صباح کی حشیشین کی تحریک، برصغیر کی امام شاہی، رسول شاہی تحریکیں ہوں یا موجودہ گوہر شاہی سلسلہ یا چرسی بھنگی لوگوں کے بڑے بڑے عرس اور تعویذ گنڈے والوں کے بڑے بڑے سلسلے، سارے انہی غلط فہمیوں سے وجود میں آئے کہ ذرا توجہ سے حال طاری کر دیا، دل کو اچھال دیا، بدن پر کپکپی طاری کر دی، ڈھول باجے کی مجلس میں وجد طاری کر دیا، اس کو کمال جاننے والے حضرات پھنستے ہیں اور ایسے پھنستے ہیں کہ تقویٰ پرہیزگاری اور تعلق مع اللہ سے کوسوں دُور جا پڑتے ہیں۔ بندہ نے اپنے پشاور کے قیام میں گردو پیش کے صحیح العقیدہ مستند دیوبند والے حضرات کے مدارس سے فارغ ہونے والے علماء کو نام نہاد پیر صاحبان کی توجہ وتصرف سے متاثر ہو کر ان کے جال میں ایسا پھنستے دیکھا کہ خوفِ خدا اور فکرِ آخرت سے خالی ہوئے اور ان نام نہاد پیر صاحبان کے ساتھ مل کر اپنے قرآن وحدیث کے اساتذہ وجید علمائے کرام اور اولیاء کاملین پر کفر کے فتوؤں میں شامل ہوئے۔

اس سلسلہ میں باڑہ کے پیر سیف الرحمٰن (پیر دشتِ ارچی کابلی) کے مرید علماء جو دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں پڑھے ہوئے تھے نے تبلیغی جماعت کے بزرگان اور دارالعلوم حقانیہ کے اساتذہ کرام پر کفر کے فتوے لگائے۔ اسی کی نتیجے میں پیر موصوف کے خلاف ہنگامے ہوئے اور اس کو علاقہ چھوڑنا پڑا۔

اس جگہ دو واقعات کو لکھنا مفید ہوگا۔ ایک واقعہ تو ایک مہربان دوست کا بیان کردہ ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ایک دیہاتی آدمی نے مجھ سے پوچھا کہ اہلِ تشیع غلط لوگ ہیں؟ میں نے کہا کہ جی بالکل غلط ہیں۔ تو اس نے کہا کہ ان کی مجلس میں تو بہت رونا آتا ہے، وہ کیسے غلط ہو گئے؟ دوست نے اس کا براہِ راست جواب نہیں دیا بلکہ اسے باتوں میں مصروف کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد اسے ایک کہانی سنانی شروع کر دی کہ ایک بوڑھی عورت تھی، اس کا چھوٹا بچہ تھا، اسے پالا پوسا، جب بڑا ہوا تو اسے دشمنوں نے ذبح کر دیا۔ واقعے کو ایسے بیان کیا کہ دیہاتی رونے لگا۔ جب بوڑھا رویا تو دوست نے فوراً کہا کہ بابا یہ سارا واقعہ جھوٹا تھا، یوں عملی طور پر آدمی کو سمجھایا کہ رونا دھونا تو جھوٹی کہانی سنا کر بھی طاری کیا جا سکتا ہے۔

دوسرا واقعہ میاں جی محمدی صاحب کا ہے، فرماتے ہیں کہ میں سیّد احمد شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ تھا۔ خانم کے بازار میں ایک کوچہ تھا اور اس کوچہ کے نکڑ پر ایک رنڈی کا مکان تھا۔ اس میں جو رنڈی رہتی تھی وہ نہایت حسین اور پڑھی لکھی تھی اور اس کے ہاں بڑے بڑے لوگ بیٹھا کرتے تھے۔ سیّد صاحبؒ اس کے مکان کے پاس سے گزرے تو اتفاق سے وہ اپنے دروازے پر کھڑی تھی اور تمام لباسِ سروئی (بناؤ سنگھار) تھا۔ سیّد صاحبؒ اس جگہ ذرا ٹھٹکے اور ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور اس کے بعد گھوڑا بڑھا کر آگے روانہ ہو گئے۔ آپ بیس پچیس قدم ہی چلے ہونگے کہ اتنے میں وہ رنڈی روتی ہوئی اور یہ آواز دیتی ہوئی آئی کہ اے میاں سوار خدا کے واسطے ذرا گھوڑا روک لے۔ آپ نے گھوڑا روک لیا وہ بے تحاشا گھوڑے کے اگلے پاؤں کو لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سید صاحبؒ ہر چند فرماتے رہے کہ بی بی سن تو سہی بات تو بتلا تو کون ہے اور کیوں روتی ہے؟ گھوڑے کے پاؤں چھوڑ دے اور اپنا مطلب کہہ مگر وہ نہیں مانتی تھی

اور برابر گھوڑے کے پاؤں پکڑے ہوئے رو رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں اسے افاقہ ہوا۔ اس نے کہا میں بیوہ (رنڈی) ہوں اور توبہ چاہتی ہوں اور کچھ نہیں چاہتی۔ سیّد صاحبؒ نے فرمایا اس وقت تیرے مکان میں کچھ لوگ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں۔ فرمایا توبہ کے بعد نکاح کرے گی؟ اس نے کہا جی ہاں نکاح بھی کروں گی اور جو کچھ آپ فرماویں گے وہ کروں گی۔ آپؒ نے فرمایا تیرا دل کس سے نکاح کو چاہتا ہے تو اس نے کہا فلاں سے۔ آپ نے فرمایا وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا اس وقت میرے مکان میں ہے۔ آپؒ نے فرمایا مکان میں کوئی اور بھی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں کئی آدمی ہیں۔ سید صاحبؒ نے اس طوائف سے اور مجھ سے فرمایا کہ جاؤ سب کو بلا لاؤ۔ ہم گئے تو اس وقت دس آدمی تھے۔ ان سب میں سے نو تو آ گئے مگر وہ نہیں آیا جس سے وہ رنڈی نکاح کرنا چاہتی تھی۔ جس شان سے وہ رنڈی آئی تھی، اس شان سے یہ لوگ بھی آ گئے اور سب کے سب تائب ہو گئے۔ اب آپؒ نے رنڈی سمیت سب سے فرمایا تم لوگ اکبری مسجد چلو میں ابھی آتا ہوں چنانچہ وہ سب اکبری مسجد چلے گئے اور آپؒ آگے بڑھ گئے۔ اس کے بعد آپؒ نے مجھ سے فرمایا میاں محمدی تم نے دیکھا یہ ہم نے کیا کیا؟ میں نے عرض کیا حضور دیکھ لیا۔ آپؒ نے فرمایا میاں سنو! اس قسم کی باتیں یہود، نصاریٰ اور جوگی بھی کرتے ہیں۔ بعض میں نظر کی قوت ہوتی ہے، بعض میں دماغی، بعض میں قلبی، بعض میں آواز کی قوت ہوتی ہے۔ مگر وہ قوت کسبی ہوتی ہے اور مجھے جو قوت عطاء ہوئی ہے وہ وہبی ہے۔ اگر تم کسی کے اندر ایسی قوت دیکھو تو میں نصیحت کرتا ہوں کہ فوراً اس کے معتقد نہ ہونا اور اس کو بزرگ نہ سمجھنا بلکہ جس کو متبع سنت دیکھو تو گو اِن قوتوں میں کوئی قوت بھی اس کے اندر نہ دیکھو اس کے معتقد ہونا۔ (ارواحِ ثلاثہ صفحہ ۱۵۰۔۱۵۱)

غرض عقائد کا شرک و بدعت سے پاک ہونا، اعمال کا مطابقِ سنت ہونا، باطن کا

رذائل سے پاک ہونا اور فضائل سے متصف ہونا جب تک نہ ہو، آدمی معیاری آدمی نہیں ہوسکتا خواہ کتنے ہی شعبدے کیوں نہ دِکھاتا ہو۔ اور عقائد و اعمال کی دُرستگی کے ہوتے ہوئے یہ چیزیں ہوں تو دُرست ہیں اور کرامت ہیں نیز عقائد و اعمال کی دُرستگی ہوتے ہوئے جو حضرات معروف توجہ اور تصرّف کو استعمال کرتے ہوئے لوگوں کا رُخ اللہ تعالیٰ کی طرف موڑتے ہیں تو یہ ایک طرح کا اپنے نفس کی قوت کو خیر کے لیے استعمال کرنا ہوا جو مستحسن ہے۔

آج کل یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ بعض لوگوں نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ انھیں کسی صاحبِ قبر یا کسی رُوح سے اویسی طریقے سے فیض ہوا ہے۔ اس کو بنیاد بنا کر وہ سلاسل چلا رہے ہیں۔ بعض ان میں سے اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرواتے ہیں۔ اویسی طریقۂ فیض ہے تو ضرور لیکن اویسی سلسلہ نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کے سلسلہ چلانے میں خطرات بہت ہیں۔ چنانچہ حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہے کہ ان پر خواجہ عبیداللہ احرارؒ کی رُوح حاضر ہوئی اور ان کو اویسی فیض کے ذریعے طریقۂ نقشبندیہ میں کامل کردیا لیکن پھر بھی آپ خواجہ امکنگیؒ سے بیعت ہوئے، ان سے خلافت ملی اس کے بعد ان کے حکم اور مشورہ سے ہندوستان تشریف لاکر سلسلہ چلایا۔ اس کے بارے میں فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں جناب مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک فتویٰ بھی ہے جو کہ یوں ہے ''نادر طور پر جن حضرات کو بلا واسطہ شیخ حاصل ہوا ہے جو کہ طریقۂ اویسیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ان لوگوں کا عام طریق سلف صالح سے یہ رہا ہے کہ وہ ارشاد و تعلیم و بیعت و تلقین نہیں کرتے۔ اس لیے اگر کوئی شخص اس طرح خلافِ عادت فیض یاب بھی ہو تو اس کے لیے مسند ارشاد پر بیٹھنا اور تعلیم و تلقین کرنا مناسب نہیں۔ اس کے لئے کسی زندہ بزرگ سے اجازت کا ملنا ضروری ہے۔

بعض جگہوں پر یہ دیکھا گیا ہے کہ حضرات کاملین کی وفات کے بعد ان کی اولاد میں سے کوئی نہ کوئی ان کی جگہ بیٹھ جاتا ہے جس کے پاس نہ تو علم ہوتا ہے اور نہ ہی طریقہ صوفیاء کے مطابق تربیت حاصل کی ہوتی ہے۔ بعض تو ان میں سے صرف شکرانے اور مال جمع کرنے کے لیے بیٹھتے ہیں۔ ان کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔ بعض مخلص ہوتے ہیں لیکن اگر وہ حضرات کاملین کی صحبت اُٹھا کر تربیت کی منازل طے کر لیں تو اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی خیر اور رحمت کا ذریعہ بنیں۔

اس تفصیل کے سامنے آنے کے بعد اب اصل مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کمر باندھنی چاہئے اور عمل کو اختیار کرنا چاہئے۔

بندہ کے شیخ و مربی حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تقریباً چالیس سال ایک ماحول قائم فرمایا۔ جس کے ذریعے سے کثیر خلائق کو فائدہ ہوا۔ خصوصاً پشاور یونیورسٹی وملحقہ اِداروں کے انگریزی پڑھے لکھے طبقہ کو تعلق مع اللہ نصیب ہوا اور زندگی سنتوں سے مزین ہوئی۔ حضرت کی وفات پر شدید کمی محسوس ہونے لگی۔ احباب نے سوچا کہ حضرات کا بدل ان کی تعلیمات اور اصلاحی ترتیبیں ہوا کرتی ہیں اور کامیابی کا راز اصحابِ سلسلہ میں آپس کی محبت، تعلق اور جوڑ ہوا کرتا ہے۔ ان تعلیمات کا ماحول بنا لیا جائے تو اپنی حفاظت کا بھی سامان ہو جاتا ہے اور ساتھ شامل ہونے والے بھی فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اس بات کو حاصل کرنے کے لئے بندہ نے مندرجہ ذیل لائحہ عمل شروع کیا۔

۱) مجلسِ ذِکر بروز اتوار، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی، بعد نمازِ مغرب۔
۲) مجلسِ ذِکر بروز پیر، مسجدِ نور، حیات آباد فیز تھری، بعد نمازِ مغرب۔
۳) مجلسِ ذِکر بروز منگل، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی، بعد نمازِ مغرب۔

۴) مجلسِ ملفوظات وختم شریف، بروز جمعہ، خانقاہ کی مسجد، عصر تا مغرب۔

۵) تقریرِ جمعہ، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی، ۰۰:۱ تا ۳۰:۱ بجے۔

۶) خواتین کے لیے بیان، بروز جمعرات، حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے گھر پر، عصر تا مغرب۔

۷) درسِ قرآن، بعد نماز عشاء، خانقاہ کی مسجد میں، روزانہ۔

۸) مجلس فجر تا اشراق، خانقاہ کی مسجد، روزانہ۔

۹) ماہانہ اجتماع، خانقاہ کی مسجد، مہینہ میں ایک مرتبہ۔

10) رمضان میں دس روزہ اعتکاف، خانقاہ کی مسجد۔

۱۱) سالانہ اجتماع۔ یہ جولائی کے مہینے میں شمالی اضلاع کے کسی ٹھنڈے پہاڑی علاقے میں ہوتا ہے۔

۱۲) اس کے علاوہ صوبہ کے مختلف مقامات کا مختلف موقعوں پر دورہ ہوتا رہتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

سلسلہ کے درجات

اصلاحی سلسلہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے

درجۂ اوّل

سلسلہ میں داخل ہونے والے احباب کو مندرجہ ذیل معمولات کا پابند کیا جاتا ہے۔

الف۔ مطالعہ کتب:

☆ تعلیم الاسلام از مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا چار پانچ مرتبہ مطالعہ تاکہ مسائل ذہن نشین ہوجائیں۔ جہاں سمجھ نہ آئے خود فیصلہ کرنے کی بجائے علماء سے پوچھنا، استعداد اچھی ہو تو اپنے گھر یا مسجد میں چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس کو سبقاً سبقاً پڑھنا۔

☆ اُم الامراض، اکابر کا سلوک و احسان اور فیضِ شیخ از حضرت مولانا زکریا صاحبؒ۔

☆ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مواعظ بنام تسہیل المواعظ۔

☆ اصلاحی نصاب (جو دس رسالوں کا مجموعہ ہے) از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔

ب۔ حقوق العباد و صفائی معاملات:

کسی کا مال، زمین یا کوئی اور حق دبایا ہو، فوراً ادا کرنا۔ بجلی کا میٹر بند ہو تو اس کو کھولنا اور پچھلا حساب کتاب کر کے پیسے ادا کرنا۔ حکومت کے ٹیکس جو جائز ہوں اور حکومت کے ایسے اِدارے جن پر حکومت کا خرچ ہے ان سے فائدہ حاصل کرنے کی صورت میں ان کا معاوضہ ادا کرنا۔ میراث وغیرہ کی فوری تقسیم کر کے ہر کسی کو اس کا حصہ ادا کرنا۔ مشترکہ خاندان میں رہائش کی شکل میں اپنا اور اپنی بیوی بچوں کا پورا خرچ ادا کرنا نیز پردے کے احکام کی پابندی کرنا۔ جس شعبہ میں ملازمت کر رہا ہو اس کی ڈیوٹی پوری کوشش سے ادا کرنا۔ بیوی اور خاندان کے درمیان حقوق کی ادائیگی میں توازن رکھنا، نہ

بیوی کیلئے ماں باپ کے حقوق ضائع کرے اور نہ ماں باپ اور خاندان کی باتوں میں آ کر بیوی پر ظلم کرے۔ اپنے محرم رشتہ داروں اور خاندان کے لوگوں کی خیر خبر رکھنا اور ان سے پہلو تہی نہ کرنا۔

ج۔ حقوق اللہ:

نماز، روزہ وغیرہ جو پہلے قضا ہو چکے ہیں، ان کی ادائیگی فوراً شروع کرنا۔ زکوٰۃ کا حساب کر کے ادا کرنا۔ عشر وغیرہ کی اسی طرح ادائیگی کرنا۔ حج فرض ہے اور ابھی تک نہیں کیا تو فوراً اس کا بندوبست کرنا۔ نماز با جماعت تکبیر اولیٰ کے ساتھ پڑھنا۔ اسکے ساتھ تین تسبیحات استغفار، دُرود شریف، تیسرا کلمہ سو سو بار صبح اور شام پڑھنا۔ تلاوتِ کلامِ پاک آدھا پارہ روزانہ یا اس سے جتنی زیادہ ہو سکے۔ مختصر ضربوں والا ذِکرِ جہری یعنی سو بار لاالہ الا اللہ ،سو بار الا اللہ اور سو بار اللہ ۔ اس معمول کی چھ مہینے کم از کم پابندی کر کے اگلے درجے کے بارے میں معلومات کی جاسکتی ہیں۔

جن حضرات کے ذمے قضا نمازیں نہیں ہیں وہ اشراق، چاشت، اوابین، تہجد، تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضو کی پابندی کی کوشش کریں۔ تہجد کے لئے آخرِ شب کو نہ اُٹھ سکیں تو سونے سے پہلے ہی آٹھ رکعت یا کم از کم چار رکعت پڑھ لیا کریں۔

درجۂ دوئم

الف۔ مطالعۂ کتب:

بہشتی زیور (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)، اسوۂ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (ڈاکٹر عبدالحئیؒ صاحبؒ)۔ سلوکِ سلیمانی (حضرت مولانا محمد اشرف خان صاحبؒ)، آپ بیتی (حضرت مولانا زکریا صاحبؒ)، تذکرۃ الاولیاء (شیخ فرید الدّین عطارؒ)، کیمیائے سعادت (حضرت امام غزالیؒ) مواعظ اور ملفوظاتِ حکیم الامت (حضرت مولانا

اشرف علی تھانویؒ)۔

ب۔ بارہ تسبیحات:

صبح کی نماز سے پہلے یا بعد یا کسی ایسے وقت میں جب کھانا کھانے کے ڈھائی گھنٹے گزر چکے ہوں اور پانی پینے پر آدھا گھنٹہ گزر چکا ہو، کمر بالکل سیدھی کر کے دوسو بار **لا اِلٰـہ الا اللّٰہ** ذرا جھٹکے اور ضرب کے ساتھ جس سے بدن کو تھوڑی سی حرکت ہو جائے۔ چار سو بار **اِلا اللّٰہ** مندرجہ بالا طریقے سے، چھ سو بار **اللّٰـہُ اللّٰـہُ** کہ پہلے اللہ پر پیش مجہول اور دوسرے پر وقف، سو بار صرف **اللّٰہُ** وقف کے ساتھ۔

جو لوگ دل کی بیماریوں کیلئے یا دماغی امراض (Psychaitric Diseases) کیلئے علاج لے رہے ہوں ان کو بارہ تسبیحات کی اجازت نہیں دی جاتی۔ اسی طرح جو افراد معدے کے زخم (Peptic-Ulcer) کے مریض ہوں ان کو بھی بارہ تسبیحات کی اجازت نہیں ہوتی۔ کیونکہ جسمانی تکلیف زیادہ ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ بارہ تسبیحات والوں کے لئے اپنے بدلتے ہوئے حالات کی اطلاع اور پیش آمدہ حالات کے بارے میں بار بار مشورہ ضروری ہوتا ہے۔

☆ مناجاتِ مقبول ایک منزل روزانہ۔

اس ترتیب پر چلنے کے بعد سالک میں ایک فہم پیدا ہوتا ہے اور اپنے باطنی عیوب نظر آنے لگتے ہیں۔ ایسا ہو جائے تو اپنے روزمرہ کے خیالات، احساسات، نیت اور اعمال کے دوران جو جو عیب نظر آنے لگیں، ان کے بارے میں اطلاع دے کر ان کی اصلاح کی ترتیب پوچھنی ہوتی ہے۔ ایک وقت میں ایک عیب ورذیلہ ہی لکھنا ہوتا ہے اور اس کی اصلاح کی مشق شروع کرنی ہوتی ہے۔

اِشراق، چاشت، اوّابین، تہجد، تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء کی پابندی کرنا۔

جنازوں میں شمولیت، مریض کی عیادت وغیرہ کا خیال رکھنا۔ خدمتِ خلق کے مواقع کو ہاتھ سے جانے نہ دینا۔ اپنی ڈیوٹی اور فرائضِ منصبی کو اللہ تعالیٰ کے دھیان کے ساتھ عبادت اور خدمت کی نیت سے ادا کرنا اور اس پر ثواب کی امید رکھنا۔

درجۂ سوم

درجہ سوم میں ذِکر اسمِ ذات جو حسبِ استعداد آہستہ آہستہ زیادہ کر کے چھ ہزار اور اس سے زیادہ سالک کے شوق اور برداشت کو دیکھتے ہوئے۔

مراقبات:

اللہ تعالیٰ کا حاضر و ناظر ہونا، ساتھ ہونا، مراقبہ موت وغیرہ۔

مطالعۂ کتب:

تربیۃ السالک تین جلد از حضرت حکیم الامت تھانویؒ۔ انفاسِ عیسیٰ، التکشف، بصائرِ حکیم الامت اور بوادر النوادر، احیاء العلوم از امام غزالیؒ۔

سالک کو جلد فائدہ اور فیض تب نصیب ہوتا ہے جب وہ لایعنی تعلقات جن کا دِین و دنیا کا کوئی فائدہ نہیں منقطع کرے۔ ضروری تعلقات کو بدرجہ ضرورت رکھے اس سے آگے نہ بڑھائے۔ فحش مجالس اور مواقع سے بالکل قطع تعلق کرے۔ کثرتِ کلام سے دل برباد ہو جاتا ہے، اس لیے غیر ضروری کلام سے پرہیز کرے۔ اہلِ حق کے سارے سلاسل کی تائید کرنا۔ اہلِ حق کی تنظیمیں جو دِین کے مختلف شعبوں کو سنبھالے ہوئے ہیں ان سے ٹکراؤ نہ کرنا بلکہ ان کے لیے دل سے دُعاء اور تائید کرنا کوئی مالی جانی خدمت ہو سکے دریغ نہ کرنا۔ ان اُمور کو اپنے ذمے ضروری سمجھے۔ اہلِ حق کے مدارس کا خاص لحاظ رکھنا کہ یہ دِین کے قلعے ہیں۔ علماء وطلباء سے محبت رکھنا۔

اس نظام کو اپنے گھر میں رہتے ہوئے اپنے کام کرتے ہوئے حسبِ توفیق

روزانہ، ہفتہ وار، ماہوار اور سالانہ مجالس میں حاضری رکھتے ہوئے پورا کیا جاتا ہے۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ اپنی استعداد، نیت اور مجاہدہ کے بقدر جلد یا بدیر ضرور فائدہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بیعت ہو کر مسلسل مہینہ ڈیڑھ مہینہ قیام کر کے ان اعمال پر جلد پکا ہونا چاہے تو اس کا بندوبست بھی کیا جاتا ہے۔ اس بحث کے بعد اب مقصد کو حاصل کرنے کیلئے کمر باندھنی چاہیئے اور کسی نہ کسی جگہ اپنی اصلاح کیلئے وابستگی اختیار کرنی چاہیئے۔

مولوی ہرگزنہ شد مولائے روم
تا غلامِ شمسِ تبریزی نہ شد

ترجمہ: ''مولانا رومؒ ہرگز مولوی نہ بن سکا جب تک شاہ شمس تبریزؒ کا غلام نہ ہوا۔''

سلوک کے راستے پر چلنے والوں کو مندرجہ ذیل باتیں مدنظر رکھنی چاہئیں۔

☆ خود سے بننے بگڑنے کا فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے کہ میں بن رہا ہوں یا بگڑ رہا ہوں۔ اپنے احوال کی اطلاع مربی و شیخ کو کرتا رہے۔ جو لوگ اپنی ترقی کا خود فیصلہ کرتے ہیں اور کچھ گریہ، رقت، رؤیائے صالحہ وغیرہ اضافی چیزوں کے حاصل ہونے کو مقصد جانتے ہیں ان کے بارے میں بندہ کا تجربہ ہے کہ بہت پریشان رہتے ہیں۔ بعض کو سخت قبض (Depression) کی کیفیت طاری ہوتی ہے، جو دُنیا و آخرت کے کاموں میں بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ بعض کو توہّمات یعنی وہمی چیزیں (Hallucinations, Delusions, Illusions) شروع ہو جاتی ہیں اور فن کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اس کو ترقی سمجھا جاتا ہے، جو باقاعدہ نفسیاتی بیماری (Psychiatric Disease) تک بڑھ سکتی ہیں اور بروقت طبّی یا ڈاکٹری علاج نہ ہونے سے شخصیت خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

☆ بعض کو ضربوں کی بے قاعدگی سے اختلاج قلب وغیرہ (Heart

(Disease) میں مبتلا ہوتے دیکھا جسے سالک باطنی اثرات سمجھتا رہا اور تجربہ نہ ہونے سے آدمی مریض بن گیا۔ اپنے آپ کو مربی کے ہاتھ میں مردہ بدست زندہ سمجھنا چاہئے۔ بس بندہ کے بارے میں مربی و شیخ جو فیصلہ کرے وہی اصل ہے۔ اس راہ میں ساری عمر آدمی کو اپنی ذات تباہ حال ہی نظر آتی ہے۔

بخاری شریف میں ابو ملیکہؒ سے تعلیقاً روایت ہے کہ میں بیس صحابہ سے ملا ہوں جو بدر میں شریک تھے، سب کے سب اپنے بارے میں منافق ہونے کا اندیشہ رکھتے تھے اور اپنے دِین کے متغیر ہونے سے بے اندیشہ نہ تھے۔ (التکشف صفحہ ۴۳۵)

☆ اپنا ٹوٹا پھوٹا اور بدحال ہونے کا تصوّر ہی کامیابی کی کنجی ہے۔ ذرا سا ذِکر میں مزہ آنے سے یا اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر رو دینے سے یا سچے خواب نظر آنے سے یا دُنیا میں ہونے والے حالات کے بارے میں صحیح پیش گوئی حاصل ہونے سے اپنے آپ کو کامل سمجھ لینا بہت ہی محرومی اور خطرے کی بات ہے۔

سلسلۂ تصوّف و طریقت کے مندرجہ ذیل نتائج ھیں

۱۔ تکمیل:

جب سالک ذِکر و اذکار مراقبات وغیرہ سیکھ لے اور دفعِ رذائل اور حصولِ فضائل کی ترتیب سامنے آ جائے اور اسے مکائدِ نفس (نفس کے دھوکے) سے آگاہی ہو جائے تو اب سلوک کا نظری طریقہ (Theoratical Approach) اس کی گرفت میں آ گیا۔ اب عمل اور مجاہدہ کر کے منزل پر پہنچنا اس کے اپنے ذمّے ہے۔ شیخ اور مربی کے ذمے اتنی ہی بات ہوتی ہے۔ عمل اور مجاہدہ مرید کو خود کرنا ہوتا ہے۔ مجاہدہ کرنے کے بعد یہ باتیں باطن میں راسخ اور پکی ہو جاتی ہیں اس پر تکمیل ہو جاتی ہے۔ اس آدمی کو شیخ کی وفات کے بعد مزید بیعت و تربیت کی ضرورت نہیں رہتی۔ اپنی اس ترتیب پر کاربند

رہتے ہوئے ترقی ہوتی رہتی ہے۔ مشائخ کی مجالس اور مواعظ میں شامل ہونے سے ترقی ہوتی رہتی ہے۔ مجاہدہ چھوڑ دے اور صحبتِ صالح کی پابندی نہ کرے تو زوال کا خطرہ رہتا ہے۔

۲۔ خلافت:

صوفیاء کے سب سلاسل میں خلافت شروع دور سے ہی رائج ہے۔ جس مرید کے بارے میں یقین ہو جائے کہ اس نے راہ سلوک کا تربیتی نظام سیکھ لیا ہے، مخلص ہے، دِین کے ذریعے دُنیا نہیں کمائے گا، مال و جاہ کے پیچھے نہیں پڑے گا اور سلسلہ چلانے کی استعداد رکھتا ہے، اُسے مشائخ برائے اشاعت سلسلہ خلافت عطاء فرماتے ہیں۔ خلافت ایک قسم کی انتظامی سی چیز ہے، حتمی چیز نہیں ہے بلکہ ظنّی ہے، اس کی وجہ سے اپنے آپ کو کامل سمجھنا یا مقبول گردانناکسی وجہ سے نہیں ہوسکتا۔ ہاں سلسلہ چلاتے ہوئے اپنے گردو پیش میں دِینی ماحول پیدا ہو جاتا ہے اور نیکی کی فضا بن جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اپنی حفاظت آسان ہو جاتی ہے اور دوسروں کو بھی فائدہ ہو جاتا ہے۔ حتمی چیز تو خاتمہ بالخیر ہے، اس وقت تک تو سب کو خطرہ ہی خطرہ ہے۔

۳۔ نسبت:

تصوّف کی راہ میں اصل الاصول نسبت کا حصول ہے۔ نسبت کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی کے ساتھ قبولیت کا تعلق پیدا ہو جانا اور یہی اصل چیز ہے یعنی آدمی نے ظاہری شریعت کی پابندی کی اور دفع رذائل وحصول فضائل کیلئے کوشش کی۔ کثرتِ ذِکر ومراقبات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حاضروناظر ہونے اور معیّت کے دھیان کو پختہ کیا، یہاں تک کہ یہ مجاہدات اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہو گئے اور انہوں نے اپنا بنالیا۔

ؔ جسے چاہا در پے بلالیا جسے چاہا اپنا بنا لیا
یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے

ایسے افراد کے سارے اعمال جذبۂ آخرت اور رضائے الٰہی کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ نام ونمود اور دُنیا کی کوئی چیز ان کے اعمال کی بنیاد نہیں بنتی۔ ان کے رذائل دَب چکے ہوتے ہیں، فضائل پر پکے ہو جاتے ہیں، کثرتِ ذِکر کی وجہ سے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا دھیان رہتا ہے اور ظاہری شریعت پر پوری کوشش سے چلنے والے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات خلافت تو نہیں ملی ہوتی لیکن نسبت حاصل ہو جاتی ہے اور بعض اوقات خلافت بغیر نسبت کے بھی مل جاتی ہے۔ (بحوالہ رسالہ نسبت واجازت حضرت مولانا زکریا صاحبؒ)

اللہ تعالیٰ کی ذات سے اُمید ہوتی ہے کہ نسبت کے بغیر خلافت والے کام کرتے کرتے کسی وقت نسبت والے بن جاتے ہیں اور صاحبِ نسبت افراد کو اگرچہ خلافت نہ ملی ہو، ان کے پاس بیٹھنے ان کی خدمت کرنے اور ان کا کلام سننے سے انسان کو ضرور فائدہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کلمات کو قبول فرمائے اور بندہ کی رہنمائی اور ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ کوئی بات غلط ہو تو بندہ کی ناسمجھی کی وجہ سے ہوگی۔ نشاندہی فرما کر اصلاح سے نوازنے پر بہت شکر گزار رہوں گا۔

افاداتِ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تین چیزیں مہلک ہیں، ’بخل‘ جو اطاعت کیا گیا ہو، ’خواہش‘ جس کی پیروی کی جائے اور آدمی کا اپنے ’نفس‘ کو بڑا جاننا۔“ ان باتوں سے کوئی آدمی خالی نہیں اور دل کے بُرے حالات کبر، عجب اور ان کے مثل کے، وہ ان تینوں مہلکات کے تابع ہیں اور ان کا دُور کرنا فرضِ عین ہے اور جب تک ان مہلکات کی تعریف اور اسباب اور علاقات کو نہ جان لیا

جائے اور انکے علاج کو معلوم نہ کرلیا جائے تب تک ان کا دُور کرنا ممکن نہیں، اسلئے کہ جو شخص بدی کو نہیں جانتا وہ اس میں مبتلا ہو جاتا ہے اور علاج اس طرح ہے کہ ہر ایک سبب کے مخالف سبب سے اسکا مقابلہ کیا جائے۔

ملفوظاتِ حکیم الامت، مجدد الملت
حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۱) حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا میں دعویٰ کرتا ہوں کہ بدون علمِ دِین کے فضائل، اخلاق، سیر چشمی و بلند نظری، عالی دماغی، تہذیب، اعتدالِ افعال و انتظام واقوال میسر ہونا ممکن نہیں، چنانچہ بے علم امراء میں ان اخلاق کا نام نہیں ہوتا لیکن مال کی بدولت خوشامدیوں کا اجتماع رہتا ہے، اس لئے انکے عیوب پر پردہ پڑا رہتا ہے۔ سب سے بڑی اور آخری بات یہ ہے کہ مولوی سے مراد عالمِ باعمل ہے جس کا نام چاہے آپ درویش رکھ لیجئے، جو ایسا نہیں وہ ہمارے نزدیک مولویوں میں داخل ہی نہیں۔ صرف عربی جاننے والے کو مولوی نہیں کہتے، مصر و بیروت میں بہت سے عیسائی اور یہودی عربی دان ہیں حتیٰ کہ علوم اسلامیہ کے بڑے بڑے واقف ہیں، مصر و بیروت کے علاوہ خود یورپ میں ہیں تو کیا ہم ان کو مقتدائے دِین کہنے لگیں گے؟ (الافاضات الیومیہ بحوالہ بصائر حکیم الامتؒ صفحہ ۲۰۶)

(۲) فرمایا تعلیمِ اخلاق (تربیت) کو درس سے خارج کردینے کی مضرتیں اس قدر کثیر ہیں کہ بیان نہیں ہوسکتیں۔ خلاصہ یہ کہ علماء کی اس فن سے بے خبری کی بدولت جھوٹے و مکّار پیر بن گئے جو خلقت وِ دُنیا کو ذبح کررہے ہیں۔ اس لئے چاہیئے کہ اخلاق کی کتابوں کو درس میں داخل کریں۔ (اور صرف درس ہی کافی نہیں) بعد فراغ طلباء محققین اہلُ اللہ کی خدمت میں حسبِ گنجائش قیام کریں اور ان سے عملاً آداب و اخلاق سیکھیں اور ان کی

صحبت سے برکت حاصل کریں اور چندے ان کی خدمت میں آمدورفت رکھیں جس سے نسبتِ باطنہ ایک گونہ راسخ ہوجائے، تب خلق اللہ کے ارشاد (راہنمائی اور تربیت) کو ہاتھ میں لیں، انشاء اللہ عموماً عوام ان سے وابستہ ہوکر جھوٹوں کو چھوڑ دیں گے اور مضمون

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

(بنی اسرائیل:۸۱)

ترجمہ: ''اور کہہ! آیا سچ اور نکل بھاگا جھوٹ بیشک جھوٹ ہے نکل بھاگنے والا۔''

نظر آجائے گا۔ (الافاضات یومیہ۔بحوالہ بصائر حکیم الامتؒ صفحہ ۶۰۶)

(۳) حضرت تھانویؒ سے سوال کیا گیا کہ کیا تصوّف کا حاصل کرنا فرض ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا ہاں ہر مسلمان کے لئے فرض ہے کیونکہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ. (ال عمران:۱۰۲)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے جیسا چاہئے اس سے ڈرنا۔''

اسی کا دوسرا اصطلاحی نام تصوّف ہے۔ صیغہ امر کا ہے، جس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اس پر بعض نے شبہ کیا کہ یہ تو منسوخ ہے۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہؓ پر سخت گزری اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ڈرنے کا حق کون ادا کرسکتا ہے؟ یہ تو طاقت سے باہر ہے۔ اس پر آیت نازل ہوئی:

فَاتَّقُوْا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن۔۱۶)

ترجمہ: ''سو ڈرو اللہ سے جہاں تک ہوسکے''

مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ پہلی آیت کے لئے ناسخ ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا میں کہتا ہوں اس سے منسوخ ہونا حسبِ اصطلاح اہل اُصول لازم نہیں آتا کیونکہ سلف کی اصطلاح میں نسخ کا اطلاق مطلق تغیر پر آتا ہے گو وہ بیان تفسیری ہو۔ (مقالات حکمت حصہ سوم) (۴)

فرمایا کیفیات کا مدار یکسوئی پر ہے اور یکسوئی کم عقلوں کو زیادہ ہو جاتی ہے، عاقلوں کو خاص کر صاحبِ ذکاوتِ مفرطہ کو یکسوئی حاصل نہیں ہوتی کیونکہ ان کا دماغ ہر وقت حرکتِ فکر یہ میں ہی رہتا ہے۔ اہلِ حق کے تصرّفات اتنے قوی نہیں ہوتے جتنے اہل باطل کے تصرّفات قوی ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ تصرّفات کے اثر کا دارومدار قوت خیالیہ پر ہے اور خیال میں قوت یکسوئی سے ہوتی ہے اور اہل حق کو اس خیال میں جو غیر ذاتِ حق کے متعلق ہو زیادہ یکسوئی نہیں ہوتی۔ (القول الجمیل، صفحہ ۳، جلد دوم)

(۵) دل کی بات بتا دینا یہ علمِ غیب نہیں بلکہ کشف ہے۔ علمِ غیب اس علم کو کہتے ہیں جو بلا وسائط ہو اور یہ خاصۂ خداوندی ہے اور یہ جو علم بذریعہ کشف ہو اس میں کشف واسطہ ہے اس لئے وہ علمِ غیب نہیں۔ فتوحاتِ مکیّہ میں ہے کہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے طے الارض (ہزاروں میل منٹوں میں طے کرنا) کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا یہ کچھ نہیں (یعنی قبولیت کی دلیل نہیں) کیونکہ ابلیس مشرق سے مغرب تک ایک دم قطع کر جاتا ہے اور اللہ کے نزدیک اس کا کچھ مرتبہ نہیں۔ ہوا میں اُڑنے کا پوچھا گیا تو فرمایا چڑیاں ہوا میں اُڑا کرتی ہیں اور جب مؤمن ان سے افضل ہے تو ایسی چیز کرامت کیسے شمار کی جا سکتی ہے جس میں چڑیاں شریک ہوں۔ فرمایا کہ تم ایسا آدمی دیکھو جو بہت کرامتیں دیا گیا ہو یہاں تک کہ ہوا میں اُڑتا ہو تو تم دھوکے میں نہ آجاؤ اور اس کے معتقد نہ ہو جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ امرونہی اور حفظ حدود اور پابندئ شریعت میں کیسا ہے۔

(بصائر حکیم الامتؒ، صفحہ ۶۴۰)

(۶) بعض عارفین کا قول ہے کہ جس کو علمِ باطن سے کچھ میسر نہ ہو اس کے سُوئے خاتمہ کا اندیشہ ہے اور ادنیٰ حصہ یہ ہے کہ اس کی تصدیق اور تسلیم تو کرتا ہو۔ منکر کی یہی سزا کافی ہے کہ وہ اس سے محروم ہے۔

؎ با مدعی مگوید اسرار عشق و مستی
بگزار تا به میرد در رنجِ خود پرستی

ترجمہ: ”عشق کے رموز اور بھید مدعی اور خود پرست سے مت کہو چھوڑ واسے خود پرستی میں مرنے دو۔“

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، اگر تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے۔“

اس جگہ احسان کو بعد ایمان اور اسلام کے فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ علاوہ عقائدِ ضروریہ اور اعمالِ ظاہرہ کے کوئی اور چیز بھی ہے کہ اس کا نام حدیث میں احسان آیا ہے اور اس کی حقیقت بیان فرمانے سے معلوم ہوا کہ یہی وہ طریقِ باطن ہے۔ کیونکہ بدون اس طریق کے ایسی حضوری ہرگز میسر نہیں ہوتی اور لاکھوں معتبر آدمیوں کی شہادت موجود ہے کہ ہم کو اہلِ باطن کے پاس بیٹھنے سے ایک نئی حالت اپنے باطن میں عقائد وفقہ (کے علم) کے علاوہ محسوس ہوئی ہے۔ جو پہلے نہ تھی اور اس حالت کا اثر یہ ہے کہ اطاعت کی رغبت اور معاصی سے نفرت ہے اور عقائد کی پختگی روز افزوں ہے۔ یہ بھی نہایت قوی دلیل ہے کہ طریقِ باطن بھی کوئی چیز ہے۔ (بصائرِ حکیم الامتؒ، صفحہ ۹۷)

﴿۷﴾ دورِ حاضر میں اھلُ اللّٰہ کی صحبت:

حکیم الامت مجدد الملّتؒ نے فرمایا کہ میں اہلُ اللہ کی صحبت کو فرضِ عین کہتا ہوں اور فتویٰ دیتا ہوں۔ اس زمانے میں اہلُ اللہ اور خاصانِ حق کی صحبت اور ان سے تعلق

رکھنے کے فرضِ عین ہونے میں کسی کو کیا شبہ ہوسکتا ہے اور یہ تو تجربہ سے معلوم ہوا کہ آجکل ایمان کی سلامتی کا ذریعہ صرف اہلُ اللہ کی صحبت ہے اس تعلق کے بعد بفضلہٖ اللہ تعالیٰ کوئی جادُو اثر نہیں کرسکتا۔ (افاضاتِ یومیہ)

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کا ملفوظ

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اگر کوئی چاہے اور استعداد ہو تو انشاء اللہ تین دن میں یہ بات ہوسکتی ہے کہ قلب سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دینے لگے، لیکن یہ بھی کچھ نہیں، اصل چیز تو بس احسانی کیفیت اور شریعت و سنت پر استقامت ہے''۔ (اکابرِ دیوبند کیا تھے۔صفحہ ۱۰۹)

حضرت حسین احمد مدنیؒ کا ملفوظ

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''کسی لذّت کا حاصل ہونا، قلب کا صاف ہونا، کشف و کرامت کا مل جانا، انوار و برکات کا محسوس ہونا، فنا اور بقا، قطبیت و غوثیت سب کے سب غیر مقصود ہیں اور ان کی طرف توجہ اور قصد خطرناک چیزیں ہیں۔ مذکورہ بالا اشیاء وسائل و ذرائع ہیں، مقصدِ اصلی صرف رضائے الٰہی ہے۔ بندہ کا فریضہ آدابِ عبودیت بجا لانا ہے، اس میں جدو جہد جاری رکھے اور اخلاص و للّٰہیت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے۔ (مکتوباتِ شیخ الاسلام، جلد سوم، مکتوب ۵۹)

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا محمد اشرف خان صاحب سلیمانی رحمتہ اللہ علیہ

پشاور کے مومند قبیلے کے ایک بہت مالدار خاندان میں محمد اکبر خان صاحب کے گھر ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ محمد اکبر خان صاحب بنیادی طور پر شیخ محمدی گاؤں کے تھے، پشاور شہر میں آباد ہو گئے تھے۔ اکبر خان صاحب کی پشاور، دہلی، شملہ اور دارجیلنگ میں قالین کی دُکانیں تھیں اور شملہ میں ایسی جائیداد تھی کہ ان سے انگریز کرائے کے مکان لے کر رہائش پذیر ہوتے تھے۔ ان نسبتوں کی وجہ سے آپ کی طبعیت میں مومندوں کا اخلاص، جفاکشی و مہمان نوازی، پشاور شہر والوں کا فہم و فراست اور دہلی و لکھنؤ والوں کا رکھ رکھاؤ تھا۔ گھر میں اس دور میں یعنی پاکستان بننے سے پہلے جدید تعلیم کا رواج تھا۔ چنانچہ بڑے بھائی اکرم صاحب ائیر فورس میں سکوارڈن لیڈر رہوئے اور وہاں سے آرمی کے کوٹے پر سپیریئر سروس (Superior Service) میں آئے اور جاپان کے سفارت خانے (Embassy) میں اعلیٰ عہدہ پا کر ریٹائر ہوئے۔ ان سے چھوٹے بھائی اسلم صاحب ایم۔ بی۔ بی۔ ایس ہوئے اور ائر وائس مارشل ہو کر ریٹائر ہوئے۔ ایسے گھرانے سے اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کو قبول فرمایا۔ آپؒ نے سکول اور کالج کی تعلیم پشاور ہی میں حاصل کی۔ دِینی تعلیم گھر پر قاضی نورالاعظم صاحب باجوڑی سے حاصل کی۔ بی۔ اے کرنے کے بعد تقریباً بیس سال کی عمر میں تحریکِ پاکستان میں مسلم لیگ کے ساتھ مل کر کام شروع کیا اور کم عمری ہی میں پشاور مسلم لیگ کے جنرل سکریٹری بنے اور بعد میں مسلم لیگ کونسل کے ممبر بنے۔ اس کونسل میں پورے برصغیر سے صرف ۷۰ آدمی ہوتے تھے۔ دورانِ تحریکِ آزادی باطل نظام کو فیل کرنے کیلئے آدھی رات کو باطل تنصیبات میں اپنے ہاتھ سے گرنیڈوں کے دھماکے کرتے رہے۔ اُس دور کے اہلِ سیاست بھی اتنے محتاط ہوتے تھے کہ یہ ساری کاروائی اس طریقے سے کرتے رہے ہیں کہ

عام انسانوں کو جانی نقصان سے بچایا۔ وہ دور اتنا ڈھیٹ نہیں تھا۔ انہی کارکردگیوں کو دیکھ کر انگریز نے یہ فیصلہ کرلیا کہ وہ یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔

انگریز کی حکومت کے دوران آزاد پاکستان ریڈیو جو تقریباً پشاور سے دس میل کے دائرے میں نشریات کرتا تھا، کئی گھروں میں رہا، ان گھروں میں ایک گھر حضرت مولانا صاحبؒ کا تھا۔ ان خدمات کا صلہ تھا کہ پاکستان بننے کے بعد جب پہلی دفعہ بانئ پاکستان محمد علی جناح (مرحوم) پشاور آئے تو سپاس نامہ پیش کرنے کیلئے مسلم لیگ کے تینوں دھڑوں کا آپ پر ہی اتفاق ہوا۔ مسلم لیگ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کی ممنونِ احسان تھی کیونکہ انہوں نے پاکستان کی تائید کرتے ہوئے ہراول دستے میں کام کرنے کے لئے اپنے نمایاں خلفاء اور جلیل القدر علماء بصورت سید سلیمان ندوی صاحبؒ، شبیر احمد عثمانی صاحبؒ اور ظفر احمد تھانویؒ مسلم لیگ کو دیئے تھے۔ اس لئے جب حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی وفات ہوئی تو مسلم لیگ کے نمائندہ اخبار ڈان نے حضرت تھانویؒ پر آرٹیکل لکھا اور اس میں ان کے خلفاء کا تعارف کروایا، جس میں حضرت سیّد سلیمان ندوی صاحبؒ بھی تھے۔ حضرت مولانا اشرف صاحبؒ، سید سلیمان ندوی صاحب سے بیعت ہو گئے۔

پاکستان بننے کے بعد سیاست کا رُخ حصولِ اقتدار و حصولِ زر کی طرف مڑ گیا۔ اس بناء پر حضرت کا دل سیاست سے اُچاٹ ہونا شروع ہوگیا۔ سیّد صاحبؒ کی بیعت نے رُخ آخرت اور تعلق مع اللہ کی طرف موڑ دیا اور مزاج سیاسی کے بجائے علمی ہوگیا۔ چنانچہ پشاور یونیورسٹی بننے پر شعبہ عربی میں پہلے طالب علم کے طور پر داخلہ لیا اور مصری پروفیسر کی زیرِ نگرانی نمایاں کامیابی کے ساتھ ایم۔اے عربی کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔اے فارسی کرلیا۔ انہی دِنوں مولانا الیاسؒ کی تبلیغی تحریک کے ساتھ

تعارف ہوا اور ۱۹۴۹ء میں شاہ عبدالعزیز دُعا جو دہلویؒ کے ساتھ تبلیغی چلہ لگایا۔ سیّد صاحبؒ کی وفات کے بعد دوسری بیعت شاہ عبدالعزیز صاحب دُعا جو دہلویؒ سے کی اور انہی سے چاروں سلسلوں میں خلافت ملی۔

شاہ صاحبؒ ایک فنا فی اللہ بزرگ تھے۔ اپنے سارے وسائل اللہ کے راستے میں فروغِ دِین کیلئے استعمال کیئے۔ شروع میں تین جھونپڑے لگا کر رائے ونڈ کا تبلیغی مرکز بسایا اور جب آباد ہو گیا تو دوسرے ساتھیوں کے حوالے کر کے خود ٹنڈو آدم تشریف لے گئے۔ وہاں ایک تبلیغی مرکز اور ایک مدرسہ آباد کیا۔

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا اشرف سلیمان صاحبؒ کا تعلق حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کے ساتھ قائم ہوا۔ حضرت مولانا فقیر محمدؒ مہمند ایجنسی کے رہنے والے تھے۔ حضرت مفتی حسن صاحبؒ کے خاص شاگرد تھے۔ اُنہی کے ذریعے سے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کی خدمت میں حاضری ہوئی، بیعت ہوئے اور صاحبِ خلافت ہوئے۔ وطن واپس آکر اپنی آبائی زمین میں خود ہل چلا کر اپنے لئے ذریعہ معاش کا بندوبست کیا اور امامت شروع کی۔ حیلۂ اسقاط، صدقۂ فطر وغیرہ کوئی چیز قبول نہیں فرماتے تھے۔ مقامی مولوی صاحبان نے مخالفت بھی کی لیکن حضرت اپنے مسلک پر ڈٹے رہے۔ کشمیر کے جہاد میں حاجی محمد امین صاحبؒ کے ساتھ شامل ہو کر درہ حاجی پیر کے معرکے میں میدانِ جنگ میں زخمی ہوئے۔ اللہ نے شفا دی۔ حضرت ایک خاموش طبع، انتہائی ذاکر شاغل اور شب بیدار شخصیت تھے۔ اُن کے پاس صرف بیٹھنے سے بلکہ ہاتھ ملانے سے آدمی اپنے اندر تبدیلی محسوس کرتا تھا۔ حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ نے بھی حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کو خلافت عطا فرمائی۔

حضرت مولانا اشرف صاحبؒ نے تبلیغی تحریک میں زندگی وقف کرنے کی نیت کر

لی لیکن اکابرین نے مشورہ کیا کہ بجائے رائیونڈ رہنے کے اگر کسی کالج میں لیکچرر ہو جائیں تو زیادہ مناسب ہے۔ چنانچہ اسلامیہ کالج پشاور میں عربی کے لیکچرر بنے اور ترقی کرتے ہوئے پروفیسر اور صدر شعبۂ عربی پشاور یونیورسٹی ریٹائر ہوئے۔ اس اثناء میں کئی طلباء کو ایف۔اے، بی۔اے اور ایم۔اے تک عربی پڑھائی اور کچھ طلباء سے پی۔ایچ۔ڈی بھی کروائی۔ تبلیغ کا کام پشاور میں چلایا، مرکز کے امیر بنے اور پچیس سال امیر رہے۔ ساتھ تصوّف کا سلسلہ بھی چلایا۔ تبلیغ اور تصوّف دونوں میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اور ہزاروں انسانوں کی زندگیاں بدلیں۔ عشق و رقت اور سوز و گداز کا مرقع تھے۔ پتھر سے پتھر دل بھی آپؒ کی مجلس میں آکر پگھل جاتا تھا۔ ہمت و عزم کا پہاڑ تھے۔ ٹانگوں کی معذوری، دَمہ، معدے کا السر، کانوں کی معذوری، شوگر اور دل کی بیماری کے باوجود معمولات کی مردانہ وار پابندی فرماتے تھے۔ رمضان میں دو رکعت میں پورا قرآن سنتے بندہ نے خود دیکھا۔ ایک رمضان میں آپ کے حافظ ڈاکٹر حسین علی شاہ صاحب نے ایک رکعت میں پورا قرآن سنایا۔ رمضان میں عشاء کے وضوء سے فجر اور پھر اِشراق پڑھتے ہوئے خود دیکھا۔ تبلیغ و تصوّف کے ساتھ خدمتِ خلق کے شعبے میں دُکھی انسانیت کے ہر شعبۂ زندگی میں دُکھ بانٹتے رہے اور حتی الوسع سُکھ کا سامان مہیا کرتے رہے۔ ملکی و عالم اسلام کے مسائل پر گہری نگاہ، انتہائی دانش مندانہ تبصرہ اور انتہائی پختہ رائے کے حامل تھے۔ تصنیف و تالیف کے شعبے میں سلوکِ سلیمانی، پیامِ رسانِ اُمت، Early Indo Arab Relations، شاہراہِ معرفت اور کئی دِیگر کتابیں یادگار چھوڑیں۔ اندرون و بیرونِ ملک باوجود معذوریوں کے تشریف لے جا کر پیغامِ حق سنایا۔ سپریم کورٹ میں قادیانیوں کے اسلامی شعائر کے استعمال کرنے والے کیس میں بطور وکیل پیش ہوئے۔ ایسے دلائل دیئے کہ عدالت عالیہ میں انمٹ اثرات چھوڑے اور کیس جیتا۔

رجم کیس میں سپریم کورٹ میں وکالت کی اور کامیاب دلائل دے کر ملحدین کو قائل کیا۔ فری میسن تحریک کو جب حکومت پاکستان نے خلافِ قانون قرار دیا تو اس کے ممبر حاجی غلام نبی حضرت سے بیعت ہوئے اور ساتھیوں کے ساتھ مل کر لاج کو مسجد کے لئے وقف کر دیا۔ حضرت نے سالہا سال کی انتھک کوشش سے اسے مسجد بنایا، جس میں حکومتِ وقت کی طرف سے سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ مسجد بعد میں جامعہ امدادالعلوم بنی جو پاکستان اور عالمی سطح کا ایک بڑا دارالعلوم ہے۔ آپؒ کے رُوحانی علاج سے ہزاروں افراد کو جسمانی بیماریوں سے نجات ملی۔ وسیع دستر خوان کے مالک تھے، ہر روز دو چار سے لے کر چالیس پچاس تک اور خاص موقعوں پر دو سو تک مہمان رہتے تھے۔ کسمپرس لوگوں کی سفارشیں حکام بالا تک پہنچانا اور ان کے حقوق دِلوانا آپؒ کا معمول رہا۔ جو بچّیاں گھر میں ملازم ہوتیں اور خدمت کرتے کرتے بالغ ہو جاتیں تو ان کی شادیوں کا اپنی اولاد کی طرح بندوبست کرتے۔ جو لڑکے خدمت کرتے رہے ان کو ملازمتیں دلوا کر دم لیا۔ نیز ان کی شادیوں وغیرہ میں پوری امداد کرتے رہے۔ اپنی اولاد نہیں تھی لیکن ساتھی آپ کو ''ابوالعباد'' یعنی سب بندوں کا باپ کہا کرتے تھے۔ مجلس میں آنے والا جہاں بڑا افسر اور مالدار اعزاز پاتا تھا تو عین اس وقت کوئی غریب کسمپرس قطعاً احساسِ محرومی محسوس نہیں کرتا تھا ہر کسی کو احساس ہوتا تھا کہ گویا حضرتؒ اس کے استقبال کے لئے بیٹھے ہیں۔

؎ آئے عشاق گئے وعدہ فردا لے کر
ڈھونڈا نہیں اب تو چراغِ رُخِ زیبا لے کر

اور

؎ غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دِوانہ مرگیا آخر تو ویرانوں پہ کیا گزری

اصلاحی بیانات حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانیؒ

بیان نمبر'۱' : بمقام پشاور یونیورسٹی ہاسٹل نمبر'۲' ۱۷ستمبر ۱۹۶۸ء

خطبہ ماثورہ۔

میرے عزیز دوستو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن کے اُمتی ہونے کا ہمیں شرف حاصل ہے اور جن کا ہم کلمہ پڑھتے ہیں اور جن کی اُمت میں اللہ نے ہم کو پیدا کیا ہے۔ ہم نے کوئی کوشش اور ارادہ نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہم کو مسلمان بنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آنا کس مقصد کیلئے تھا اور نبی کا کیا حق ہوتا ہے، اور اس حق کو ہم کس رُخ پر ادا کر سکتے ہیں۔ نبی کو جب ہم مان لیتے ہیں جیسے کہ ہم نے کہا محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)، رسول کو رسول مان کر جب ہم اُمتی بن گئے۔ اب ہماری ذمہ داری کیا ہے اور نبی نے ہم کو کن باتوں کی طرف متوجہ کیا ہے؟ نبی جو کچھ لیکر آتا ہے اس میں دُنیا اور آخرت کا نفع ہوتا ہے۔ نبی صرف آخرت کا نفع نہیں بتاتا بلکہ دُنیا کا نفع بھی بتاتا ہے اور دُنیا میں بھی ناکامی کی راہوں سے بچاتا ہے۔ نبی سراپا رحمت ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن میں آتا ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (الانبیاء۔۱۰۷)

ترجمہ: ''ہم نے آپ کو سراسر رحمت بنا کر بھیجا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہیں اس عالم کیلئے اور نا معلوم عالموں کیلئے، جس میں حشر، قبر، صراط، اور ابدلآباد کے عالم ہیں۔ ان سب عالموں کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہیں اور ان کے علاوہ جو عالم نا معلوم ہیں، ان کیلئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہی رحمت ہیں اور جہاں رحمت ہوگی وہاں زحمت نہیں ہوگی۔ اگر ہم مشکلاتِ دینی و دنیوی سے نکلنا چاہیں، چاہے ہم بچپن میں ہوں یا پچپن میں ہوں اور ہم اپنے لئے سکون و اطمینان اور سہولتوں کو پیدا کرنا چاہتے ہوں تو

واحد راستہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں اور طریقہ کو اپنا لیں، اللہ تعالیٰ اس دُنیا میں بھی خیروں کے راستوں کو کھولے گا اور انشاء اللہ آخرت میں بھی کامیابی ہوگی۔ آج ہمارے لئے بڑی مشکل یہ ہوگئی ہے کہ ہم مسلمان تو ہیں، کلمہ تو پڑھتے ہیں لیکن یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کیا ہے، مقام کیا ہے، کلام کیا ہے، پیام کیا ہے؟ نہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو جانا، نہ پیام وکلام کو جانا۔ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیام سے آشنا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے آشنا۔ صرف نام سے آشنا ہونا کفایت نہیں کرے گا۔ آپ صرف اپنے کالج کے نام کو جان لیں اور نام کو رٹنا شروع کر دیں تو کیا آپ کو ڈگری مل جائے گی؟ آپ ہاسٹل نمبر '۲' کی تعریف کرتے چلے جاتے ہیں لیکن آپ کو اس ہاسٹل میں جگہ نہ ملے تو کیا اس سے آپ کو فائدہ ملے گا؟

آپ نے یونیورسٹی میں داخلہ تو لے لیا لیکن اس سے فائدہ کے حصول کے طریقوں کو نہیں اپناتے، نہ اس پر چلتے ہیں تو کیا آپ کو یونیورسٹی میں صرف داخلہ سے فائدہ ملے گا؟ اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام میں بھی بہت برکت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی ذریعہ چین و سکون وسرُور ہے، لیکن اصل فائدہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کو اختیار کرنے میں ہے۔ میرے آقا سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کیلئے ان خیروں اور بھلائیوں کو لے کر آئے ہیں اور ان عطایا کو لے کر آئے ہیں کہ ہم قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں کہ کوئی اوّلین وآخرین میں نہیں لایا، جتنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے لے کر آئے ہیں اور جو نظام لے کر آئے ہیں اس میں پوری انسانیت کی کامیابی و بھلائی ہے۔ دُنیا میں انبیاء علیہم السّلام کے علاوہ جو شخص جو بھی نظام بنائے گا، وہ اپنی شخصیت، قومیت اور ملک کے تقاضوں کو دیکھ کر نظام دے گا۔ اس کا ذہن، طبیعت اور قومیت کی پیداوار ہوگا۔ آج جتنے بھی انسانی نظام چل رہے ہیں اور ان کے پیچھے جو فلاسفی کام کر رہی ہے وہ ان کے ذہنی تقاضوں کے ماتحت ہوتی ہے۔ لیکن نبی خدا سے آتا ہے اور خدا پوری مخلوق کا خدا ہے۔ تو نبی جو دِین وطریقہ دیتا ہے، اس میں پوری کی پوری مخلوق کی بھلائی ہوتی ہے اور اس میں انسانیت کو اُوپر لے جانے کی صورت ہوتی ہے۔ نبی کا طریقہ پوری انسانیت کیلئے خیر و بھلائی کا ذریعہ ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو طریقہ لے کر آئے وہ جملہ بھلائیوں اور خیروں کو لئے ہوئے ہے۔ جو بھی کوئی طریقۂ نبوی اختیار کرے گا تو اس کیلئے خیر کی صورتیں خود بخود پیدا ہوتی چلی جائیں گی۔ ہم اس دنیا میں بستے ہیں، یہاں ہماری چاہتیں اور ضرورتیں ہوتی ہیں۔ ہم جس راہ کو اختیار کریں اس میں چین بھی ہو اور سوسائٹی میں بھی چین، امن اور سکون ہو، ہم خود بھی بن جائیں اور معاشرہ بھی بن جائے۔ اس رُخ سے آپ دیکھیں کہ انسانی نظاموں میں ہم کس نظام سے متعلق ہو جائیں کہ ہم کو کامیابی، چین اور امن و سکون حاصل ہو جائے۔ تو اگر ہم دیکھیں تو دُنیا کا کوئی نظام بھی نہ رحمت دیتا ہے اور نہ چین۔ ایک مرتبہ کوریا میں کچھ لوگ مسلمان ہو گئے ان کا سکریٹری میرے پاس آیا اور ایک بات کہی کہ اس وقت کوریا اور تمام بدھ مت کے ماننے والے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہم دُنیا میں چین کی زندگی گزاریں اور ہم کو ظاہری نفع بھی مل جائے لیکن بدھ مذہب اس رُخ کا ہے کہ چین اس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک دُنیا کو چھوڑ نہ دیں۔ وہ کہنے لگے کہ ہم نے اسلام کا گہرا مطالعہ کیا اور اسلام میں داخل ہو گئے، جو ایک ہی وقت میں دِین و دُنیا و آخرت کی بھلائی دیتا ہے۔

عیسائیت ایک کثیر طبقہ کا مذہب ہے۔ موجودہ انجیل (جو تبدیل شدہ ہے) میں لکھا ہے کہ جو شخص اپنے دامن میں رقم لے گا تو اس کیلئے خدا کی بادشاہی میں داخلہ کا دروازہ بند ہو جائے گا اور اگر دِین کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو دُنیا کو ترک کرنا پڑے گا۔ آسٹریا ہم تبلیغ کے سلسلے میں گئے تھے۔ وہاں کسی نے سوال کیا کہ عیسائیت کو ہم کیوں ترک کر دیں اور اسلام کو کیوں اختیار کریں؟ میں نے کہا کہ تمہارا طریقہ یہ ہے کہ انسان کے پاس کچھ بھی نہیں ہونا چاہئے اور آپ کے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جیب و دامن میں بھی کچھ نہیں تھا اور پھر آپ میں جہاں مہمان نوازی کا تصوّر رہی نہیں تو اگر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اُتر آئیں تو کیا ان کے پاس کسی ہوٹل میں رہنے کی گنجائش ہو سکے گی؟ ہم جس ہوٹل میں رہ رہے تھے، اس کا یومیہ کرایہ ڈیڑھ پونڈ دے رہے تھے۔ اگر ہم کرایہ ادا نہ کریں تو ایک منٹ کیلئے ہوٹل والے ہم کو ہوٹل میں نہیں چھوڑیں گے۔ اگر بفرضِ محال حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو موجودہ دور میں آنے کی ضرورت پڑے تو کیا حرام کو اختیار کریں گے! یہ فلسفہ آسان ہے کہ جیب و دامن سے دُنیا کو جھاڑ دو لیکن عملی میدان میں یہ

بات کامل طور سے چل نہیں سکے گی کیونکہ عملی طور پر اس کو نبھانا بہت مشکل ہے۔

کامل دِین جو ہوگا وہ ہر لحاظ سے دُنیاوی ضروریات کی بھی کفالت کرے گا اور آخرت کی کامیابی کا بھی ضامن ہوگا۔ اسلام کا حسن و جمال و کمال ہے کہ ایک ہی وقت میں دِین و دُنیا دیتا ہے۔ اسلام میں دِین و دُنیا کی دوئی نہیں ہے۔ اسلام انسان کو دُنیا سے کاٹتا نہیں۔ اسلام کی تاریخ پر نظر دوڑالو کہ جہاں منبر بچھا ہے، منبر کے بچھتے ہی وہاں حکومت کا تخت بھی بچھا ہے۔ اسلام کا منبر جہاں سے خطبات و مواعظ ہوا کرتے تھے وہی تخت حکومت بھی تھا جہاں سے حکومت کے چلانے کے فیصلے بھی ہوا کرتے تھے۔ عیسائیت اگر اپنے صحیح رُخ پر ہوتی تو صدیوں تک تخت دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ جب عیسائیت ختم ہوگئی اور عیسائیت کی جگہ سینٹ پال کا مذہب چلا تو قسطنطنیہ میں یہ فیصلہ ہوا کہ قیصر کا حصّہ قیصر کو دے دو اور خدا کا حصّہ خدا کو دے دو۔ عیسائیوں نے دِین و دنیا کے دو کمپارٹمنٹ (شعبے) علیٰحدہ علیٰحدہ بنا لئے۔ ہمارا اسلام میں پیدا ہونا بہت بڑی نعمت ہے جس کا ہم تصوّر بھی نہیں کر سکتے لیکن چونکہ ہم بغیر مانگے اور بغیر کسی کوشش کے مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے اس لئے ہم کو اسلام کی قدر نہیں۔ کیونکہ گھر کی مرغی دال برابر ہوتی ہے۔ مولانا رومؒ نے ایک مثال دی ہے جیسے کہ کسی کے سر پر روٹیوں کا ٹوکرا رکھا ہوا ہو اور وہ ایک ایک لقمہ کیلئے در بہ در پھر رہا ہو۔

ایک مرتبہ یورپ میں میں نے کہا کہ قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں کہ تمھارے پاس جو کچھ ہے ہم اس کے ایک ذرہ کے بھی محتاج نہیں لیکن ہمارے پاس جو دِین کی دولت ہے تم سب اس کے محتاج ہو۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے تم اس کے ایک ایک ذرّہ کے محتاج ہو۔ اخلاق میں تم دیوالیہ پن کے درجہ تک پہنچ چکے ہو۔ آپ یورپ اور امریکہ کے اندر گھس کر ان کے حالات اور بے اطمینانی اور پریشانی کو دیکھیں، اُوپر کے قمقموں اور چمک دَمک کو نہ دیکھیں اور ظاہر کے نقشوں کو دیکھ کر رال نہ ٹپکائیں، اعمال اور اخلاق کے لحاظ سے وہ دیوالیہ ہو چکے ہیں۔ سکونِ قلب تو ایک ایسا جانور ہے جو یورپ اور امریکہ میں عنقا ہے۔ پورے یورپ میں جس کو حقیقتاً دل کہتے ہیں، وہ دل آپ کو نہ ملے گا۔ بقول اقبال

ہے دل کیلئے موت مشینوں کی حکومت
احساسِ مروّت کو کچل دیتے ہیں آلات

یہ مشینی دور جیسے گائے اور دُنبہ کا جھٹکا کرتا ہے اسی طرح یہ مشینی زمانہ دِلوں کا بھی جھٹکا کرتا ہے۔ دل تو پاکیزہ خصلتوں کا حامل ہوتا ہے۔ دل سے ہی کسی پر رحم کھایا جائے گا، دل سے ہی کسی پر شفقت کی جائے گی۔ جس کا دل ہی نہ ہو اور دل کی جگہ سِل ہو تو وہ کیا کسی پر رحم کھائے گا یا شفقت کرے گا۔ تمہارے پاس بجلی ہے، پنکھا ہے، موٹر ہے، فریج ہے، تباہ کن چیزوں اور اسلحہ کو تو چھوڑ دو جس پر ۹۰ فیصد بجٹ خرچ ہوتا ہے۔ امریکہ، چین اور رُوس کو تباہ کرنے کے درپے ہے اور رُوس پورے امریکہ اور یورپ کو ایسا تباہ کرنا چاہتا ہے کہ گویا کل تھے ہی نہیں۔ جو آسائشیں اور تعیش کے نقشے اب یورپ اور امریکہ کے پاس موجود ہیں جس وقت کہ یورپ نے ترقی نہیں کی تھی اور یہ آسائشیں اور تعیش کا سامان نہیں تھا تو کیا اس وقت ہمارے آباؤ اجداد زندگی گزار کر چلے یا نہیں! ان کو بغیر ان سامانوں کے جو چین وسکون میسر تھا وہ ہمارے پاس کہاں ہے! اُس زمانے میں اتنے زیادہ Heart Failure (دل فیل ہونے) کے واقعات نہیں تھے۔ ہم اس وقت تعیش کے خاکوں کے محتاج نہیں تھے اور نہ اس زمانہ میں بین الاقوامی سطح پر لوگ بچوں کو قتل (Family Planning) کرتے تھے۔ اب اطمینان ختم ہے، چین وسکون مفقود ہے باوجودیکہ بہت کچھ سامانِ آسائش اور تعیّش ہمارے پاس موجود ہے۔ تو ہمارے پاس جو دولت اور سرمایہ ہے، یورپ اور امریکہ اس کا محتاج ہے۔ ہم اس دولت سے ناآشنا ہیں۔ دولت رکھتے ہیں لیکن اس کا احساس نہیں۔ قوت موجود ہے، استعداد موجود ہے، خوبی ہے لیکن ہم کو خود معلوم نہیں کہ ہمارے پاس کیا ہے؟ موٹی بات کہہ دوں کہ آج پوری انسانیت اس یقین سے محروم ہے جو خدا اعتمادی پیدا کرے۔ خدا کا یقین دُنیا سے اٹھ چکا ہے۔ ہم خدا کو خدا مانتے ہیں لیکن اس رُخ سے مانتے ہیں جیسے ملکۂ برطانیہ، جس کے پاس کچھ اختیار نہیں کیونکہ وہاں تمام اختیار پارلیمنٹ کے پاس ہیں۔ امریکہ کے حاکم جانسن کا یہ حال ہے کہ حکومت کرتے ہیں لیکن بادشاہی نہیں کرتے۔ ملکۂ برطانیہ کی بادشاہت تو ہے لیکن اختیار کچھ نہیں۔ فرانس میں نہ بادشاہی نہ اختیار۔ اگر خدا کو ایسا مانتے ہو جیسے ملکۂ برطانیہ کو مانتے ہیں، جو اپنے کپڑوں

کے ڈیزائن بھی خود تجویز نہیں کر سکتی، اگر وہ نفسانی دل کہیں اٹک جائے جہاں ایڈورڈ ہشتم کا دل اٹک گیا تھا تو پھر جھٹک نہیں سکتا تھا، یا تو حکومت کو جھٹکے گا یا عورت کو۔ برطانیہ میں شاہی خاندان کا قانون یہ تھا کہ بادشاہ مطلقہ کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا۔ ایڈورڈ ہشتم ایک مطلقہ کے عشق میں مبتلا ہو گیا تھا، جس کے حصول کیلئے وہ تخت وتاج سے دستبردار ہو گیا تھا۔ ویسے یورپ میں شادی سے پہلے ہی دس دس مرتبہ طلاق کی نوبت آتی ہے۔ وہاں تو بقول جگر مراد آبادی کے

؎ ہر آن شانِ حسن بدلتی رہی جگر
ہر آن ایک جہانِ دگر دیکھتے رہے

وہاں تو غیر قانونی طلاق ہر وقت جاری رہتی ہے۔ ہر کلب میں طلاق ہوتی رہتی ہے۔ میں یوں عرض کر رہا تھا کہ اگر تم نے خدا کو ملکۂ برطانیہ کی طرح بے اختیار مانا تو یہ خدا کو نہیں مانا۔ یا یورپ والوں کی طرح مانا کہ جو بھی چاہے کرو اور پھر بھی خدا پر ایمان موجود ہے۔ خدا کا ایمان تو یہ ہے کہ اس کو رازق مانو، خالق مانو۔ ایمان کیا ہے؟

؎ عاشقی چیست بگو بندہ جانان بودند
دل بدستِ دیگرے دادند وحیران بودند

عاشقی کیا ہے؟ بندگی کیا ہے؟ اللہ کی بندگی کی راہ اختیار کرنا، دل اس کو دے دینا اور پھر جو وہ کہے ویسے ہی زندگی گزار دینا۔ اسلام نے اللہ تعالیٰ کا تصوّر اتنا ارفع وکامل دیا ہے کہ اگر صحیح معنوں میں خدا کا تصور آ جائے تو ہزاروں مصیبتوں اور پریشانیوں سے چھٹکارا مل جائے۔ ہم کبھی پریشان ہوتے ہیں اور کبھی غمگین ہوتے ہیں۔ اگر خدا والے بن گئے تو یہ تمام فکریں ختم ہو جائیں گی۔ قرآن نے کہا ہے:

اَلَآاِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ o اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ

(یونس۔ ۶۱، ۶۲)

ترجمہ: ”کہ اللہ کے دوستوں پر نہ خوف ہوگا اور نہ غم۔ وہ کون لوگ ہیں؟ جو ایمان لائے ہیں اور تقویٰ کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔“

خوف کی وجہ سے انسان گھبراتا ہے اور غم انسان کو پگھلاتا ہے۔ یہ دونوں مستقل عذاب ہیں۔ اللہ کے ولی کو نہ غم ہوگا اور نہ خوف۔ جیسے چھوٹے بچے کو غم نہیں ہوتا، فکر نہیں ہوتی۔ اسی طرح اللہ کے ولی کو غم و فکر نہیں ہوتا۔ میری بوڑھی اماں ہے۔ ہم کو کوئی پریشانی یا غم ہوتا ہے تو کہتی ہیں کہ میں زندہ ہوں تو تم لوگ کیوں غم کھاتے ہو۔ اسی طرح ایک مؤمن یہ سوچے کہ پالنے والی ایک ذات یعنی اللہ موجود ہے پھر کیوں غم کھاؤں؟

ع من غمِ تو میخورم تو غم مخور
بر تو من مشفق ترم از صد پدر

ترجمہ: میں تیرا غم خوار ہوں، تو غم نہ کر، سو باپوں سے بڑھ کر میں تجھ پر مہربان ہوں۔

اللہ میرا ہے اور اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ میرا ہے۔ انسان اپنی ضروریات کے پورا کرنے کے لئے کچھ ظاہری اور کچھ باطنی اسباب کو اختیار کرتا ہے۔ ایک دفعہ ہمارے ایک ملنے والے نے کہا کہ مجھے Three Bees کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا کہ تین شہد کی مکھیوں کے ساتھ کیا کروگے؟ اس نے کہا کہ مولانا آپ BBB کا مطلب نہیں سمجھتے! اس کا مطلب ہے "بے پردہ بیگم، بیوک موٹر اور بنگلہ"۔ تو اسی طرح ہم کو بھی خوابوں میں یہ چھچھڑے نظر آتے ہیں۔ ہمارے خیالوں میں بھی یہی چیزیں گزرتی ہیں۔ لے دے کے محور ان چیزوں کے گرد گھومتا ہے۔ ہر چیز کے حصول کیلئے ایک محنت کی ضرورت ہوتی ہے اور ایک اس کے حاصل کرنے کا راستہ ہوتا ہے۔ جتنی چاہتیں ہیں اتنے ہی ان کے حصول کے طریقے ہیں لیکن ایک ذریعہ ایسا ہے جو مؤمن کیلئے کافی ہے۔ امتحان کے دنوں میں میرے گھر میں خوب رونق ہوتی ہے، پرچہ اگر کیمسٹری کا ہے تب بھی اللہ میاں کی ضرورت، میڈیکل کا ہے تب بھی اللہ میاں کی ضرورت، دُنیا کی تمام ضرورتوں کا مشترکہ ذریعہ دُعاء ہے۔ مؤمن کی حیثیت سے مؤمن کا اپنی ضروریات کے حصول کا سب سے مؤثر ذریعہ دُعاء ہے۔ کافر بھی جب مایوس ہو جاتے ہیں تو اللہ کو پکارنے لگتے ہیں۔ کافروں کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ جب سمندروں میں بادبانی کشتیوں میں سفر کرتے ہیں جو مون سون ہواؤں کے رُخ پر ان کو چلاتی ہیں۔ بعض اوقات سمندر میں زبردست طوفان آتے ہیں،

پہاڑوں جیسی اُونچی موجیں اُٹھتی ہیں۔ میں نے بھی سمندر میں ایک سفر کیا ہے جس میں نماز لیٹ کر پڑھی تھی اور خون کی قے کی تھی۔ اس طرح جب سمندر طوفانی ہوجاتا ہے تو دیوی اور دیوتا کو بھول جاتے ہیں اور اللہ کو پکارنے لگتے ہیں مُخلِصِینَ لَهُ الدِّینَ ، جب سب جھوٹے سہارے ٹوٹ جاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ یاد آجاتے ہیں۔ ایک ذریعہ ایسا ہے جو تمام ذرائع میں مشترک ہے، وہ ہے خداوند تعالیٰ کے آگے ہاتھ پھیلانا۔ اگر تمہارے دل میں یقین ہے تو اللہ تعالیٰ کرے گا۔ اگر تمہارے دل میں یقین نہ ہو تو بے یقینوں کے ساتھ یقین والوں جیسا معاملہ کیسے کریں؟ یقین جب آتا ہے تو دل میں یہ بات آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سو باپوں سے زیادہ مہربان ہے۔

کار سازِ ما بسازِ کارِ ما
فکر ما در کار ما آزار ما

ترجمہ: میرا کام بنانے والا میرے کام کو بنائے جارہا ہے اس لئے میرا اپنے کام کے لئے فکر کرنا اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنا ہے۔

اگر میں اپنے متعلق غم میں پڑجاؤں تو یہ مصیبت ہے۔ جب اس بات کا احساس ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے جملہ کمالات وصفات کے ساتھ موجود ہے تو دل کو بہت تقویت پہنچتی ہے۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور فائدہ نہ بھی ہوتا تو یہ دل کا اطمینان اور تقویت کیا کوئی معمولی فائدہ ہے؟ غم واندوہ میں انسان کتنا پریشان ہوتا ہے۔ دِین ہم کو دُنیا وآخرت دونوں کی خیریت دیتا ہے۔ امریکہ کے پاس یقین، توکّل، حیاء اور علم کی دولت نہیں ہے۔ تمہارے پاس یہ سب دولتیں ہیں۔ پورا امریکہ اور یورپ ان دولتوں کا محتاج ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام وکلام کیا ہے! اس کا ہم کو پتہ نہیں۔ آپ کو پتہ نہیں کہ پوری دُنیا آپ کی محتاج ہے اور ہم کسی کے بھی محتاج نہیں۔ آپ کی زندگی دِین سے بنے گی، تمہارے اندر رحم کا جذبہ پیدا ہو گا، کروڑوں انسان اس رحمت سے محروم ہیں۔ آپ دِین کے ایسے طریقے کو اختیار کریں کہ خود بھی دِین پر آجائیں اور آپ کی جدوجہد سے اور بھی بہت سارے لوگ دِین پر آجائیں، اور وہ ہے دِین کیلئے جان ومال اور وقت کا لگانا۔ جیسے مال میں زکوٰۃ دی جاتی ہے، اس طرح عمر کی اور وقت کی بھی زکوٰۃ دینی

چاہئے۔آپ کا احسان ہے کہ اتنا وقت دیا کہ بات کو غور سے سنا۔اگر پسند آئی ہو تو وقت بھی دے دیں۔ ہم پھر بھی آپ کے پاس حاضر ہونگے۔

مہربان ہو کے بلالو مجھے جب چاہو
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ نہ سکوں

آج اتنی بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہونے کی حیثیت سے اتنا جانو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کیا تھی؟ کیسے گزری؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمت سے مطالبہ کیا ہے؟ اور جب آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمت پر شفقت تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمت پر مہربان تھے۔تم اس اُمت کے جوان ہو اگر کچھ محنت کی تو چمک جاؤ گے۔صحابہ کرامؓ کتنی تھوڑی تعداد میں تھے اور پوری دُنیا پر چھا گئے تھے۔یورپ اور امریکہ کے نظام مر رہے ہیں، ان کی یہ چمک مرنے کی نشانی ہے، دِیا جب بجھنے لگتا ہے تو روشنی زیادہ دیتا ہے۔اس حقیقت کو بھول نہ جانا کہ امریکہ اور یورپ کی تہذیب قبر کے کنارے ہے۔آپ کو ان کی قیادت سنبھالنی ہے۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دُنیا کی امامت کا

دُنیا کے امام بن کر زندگی گزارو۔کب تک دوسروں کے پیچھے چلو گے اور غیروں کے چبائے اور اُگلے ہوئے لقموں کو چباؤ گے؟ اگر دِین کی محنت کو اختیار کیا تو دُنیا پر بھی احسان ہوگا اور اپنے اُوپر بھی احسان ہوگا۔اپنے دوستوں اور ساتھیوں میں اس بات کو چلاؤ۔زندگی صرف ایک ملی ہے اس میں ڈاکٹری اور انجنیئری بھی کرنی ہے اور دِین کیلئے جدوجہد بھی کرنی ہے۔ایسی زندگی نہ ہو جسکے متعلق اکبر الہ آبادی نے کہا

گزر ان کا ہوا کب عالمِ اللہ اکبر میں
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

پہلے گورے صاحب ہوا کرتے تھے اور اب کالے صاحب ہیں۔اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ہدایت

دے۔یوں کوشش کرو کہ کالج کے چکر میں پڑ کر آخرت کیلئے کوشش کرو۔دِین سے بیک وقت دُنیا بھی بنتی ہے اور آخرت بھی بنتی ہے۔دُنیا کا ہر کام جب اللہ کی رضا کیلئے ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ہو وہ دِین ہے۔

☆☆☆☆☆

بیان نمبر '۲'

تصوّف

(بعد از نماز عصر اپنے گھر پر)

ے صوفی نہ شود صافی تا در نہ کشد جامے
بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

ترجمہ: ''صوفی صاف نہیں ہوتا جب تک محبتِ الٰہی کا جام نہ پی لے۔ بہت سفر کرنا پڑتا ہے تب کہیں کچے حال والا صوفی پختہ مقامات حاصل کرتا ہے۔''

صوفی اور تصوّف بعد کی اصطلاحات ہیں۔صوفی کا لفظ سب سے پہلے ۱۵۰ھ میں استعمال ہوا۔معنی کے حیثیت سے اس کی حقیقت قرآن وحدیث سے ثابت ہے بلکہ مامور بہا (یعنی وہ کام جس کے کرنے کا حکم ہو) ہے۔قرآن کے الفاظ میں اس کو تقویٰ بھی کہہ سکتے ہیں اور حدیث کے الفاظ میں اس کو احسان بھی کہتے ہیں۔حقیقتِ تصوّف،مغزِ دین وایمان اور رُوحِ شریعت کا نام ہے۔اصلاً تصوّف کے لفظ سے بحث نہیں۔گُل کو جس نام سے پکارو وہ گُل ہے۔اصل مقصود وہ حقائق واعمال ومقاصد وغایات ہیں جو کہ تصوّف کا مبنیٰ،منشاء اور مقصود ہیں۔حقیقتاً تصوّف شریعت کے ظاہری اعمال کے ساتھ شریعت کی باطنی رُوح کی پابندی اور ان اعمال کے اختیار اور تحسین اور کمال کا نام ہے جو کہ انسان کے دل اور باطن کے ساتھ متعلق ہیں۔شریعت کے مہتمم بالشّان اعمال بلکہ شریعت کے بنیادی عقائد سب کے سب دل کے ایقان اور یقین اور عمل نیز تحسین اور تکمیل کے ساتھ متعلق ہیں۔ایمان دل کی صفت کا نام ہے،اگر دل ایمان ویقین کی مایہ (دولت) سے خالی ہو تو اعمال کی کوئی قیمت نہیں۔اسی طور پر شریعت کا ہر عمل اپنی مقبولیت کیلئے اخلاص کا محتاج ہے۔اخلاص دل کے فعل کا نام ہے اور یہ رونقِ اعمال احسان یعنی دھیانِ ربّ کا نتیجہ ہے۔احسان دل کی اس صفت کو کہتے ہیں کہ بندہ دل کی حضوری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں مشغول ہو۔گویا ایمان،اخلاص،احسان جو کہ تکمیلِ دین کے تین بنیادی

ارکان ہیں دل کے ساتھ متعلق ہیں۔ اگر یہ تین بنیادی ارکان موجود نہ ہوں تو شریعت کا کوئی کام بھی وجود اور کمال نہیں پاتا۔ ایمان اساسِ اعمال ہے، اخلاص شرطِ قبولیت ہے اور احسان تحسین اعمال کا ذریعہ ہے۔ جملہ اعمال، ظاہری ہوں یا باطنی ان تین کے بغیر یا تو وجود میں ہی نہیں آئیں گے یا ناقص ہوں گے۔ گویا پوری کی پوری شریعت کے وجود و بقا اور نکھار کیلئے دل کے تین بنیادی اعمال کی ضرورت ہے۔ اب ان کے علاوہ جتنے بھی اعمال ہیں وہ اپنی جان اور رُوح انسان کے دل کے ساتھ قائم رکھتے ہیں۔ نماز کی جان یعنی حضوری، خشوع اور خضوع وغیرہ سب دل سے متعلق ہیں۔ زکوٰۃ، قربانی، دل کی نیت اور اخلاص پر مبنی ہیں۔

لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی (الحج۔۳۷)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کو قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ اس کو تمہارے تقویٰ کی کیفیت پہنچتی ہے۔''

روزہ سراپا باطنی حقیقت کی ظاہری صورت ہے جس کا مقصود ہی تقویٰ ہے۔ حج اخلاص وقربانی، عشق ومحبت کے جذبات کی ظاہری تشکیل اور تصویر ہے۔ بلکہ قرآن میں جملہ عبادات کا حاصل تقویٰ کو قرار دیا گیا ہے اور تقویٰ دل کی صفت کا نام ہے۔ جسے قرآن نے تقویٰ القلوب کے نام سے اور حدیث میں اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا (دل کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشارہ کیا) کہ تقویٰ کا مقام دل ہے۔ گویا جملہ عبادات کا حاصل تقویٰ کی وہ کیفیت ہے جو دل سے متعلق ہے۔ اس کے علاوہ دل کی خصوصی صفات واعمال ہیں جو جوارح کے ساتھ اصلاً متعلق نہیں مگر جوارح پر ان کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ توکل، تسلیم ورضا، تفویض، صبر وشکر، خوف ورجا اور جملہ اعمال یا تو کلیتاً دل کے ساتھ متعلق ہیں یا ان کی جڑ دل میں ہے۔ ہر بات دل تک پہنچ جاتی ہے۔ اسلئے ہمارے آقا ومولا سید الانبیاً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: ''انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ دُرست ہے تو سارا جسم دُرست ہوتا ہے۔ اگر وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے، اور وہ دل ہے۔''

دل بدست آور کہ حجِ اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

دل کا قابو میں آنا اصل میں حجِ اکبر ہے کیونکہ ہزار کعبہ سے ایک دل بہتر ہے۔ اگر تصوّف کو علوم قلبیہ کے ساتھ متعلق سمجھا جائے تو وہ محققین کے نزدیک اس وسیع معنیٰ میں سمجھا جاتا ہے کہ اس میں پوری شریعت کا ظاہر و باطن آ جاتا ہے۔ ورنہ اگر تصوّف کو نرے اعمالِ باطنیہ کے ساتھ خاص کر لیا جائے اور شریعت کے ظاہری اعمال کو علیٰحدہ کر لیا جائے، تو وہ صوفیاء کا مسلک وعقیدہ نہیں۔ تاہم دل کے اعمال اور اس کے اثرات اپنے اندر جملہ اعمال ظاہری کو گھیرے ہوئے ہیں۔ کوئی عمل دل کے دائرہ سے باہر نہیں۔ ہر عمل میں دل کی دھڑکن سنائی دے گی۔ اعمال دل کے ایمان، اخلاص اور احسان والی دھڑکن کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں۔ گویا اگر محض اعمالِ قلبیہ کو ہی تصوف کا مقصد گردانا جائے تب بھی شریعت کے اعمال ظاہری کو تصوّف کے دائرے سے نکالنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ بقول حضرت سید سلیمان ندویؒ شریعت کے ظاہری و باطنی اعمال کی تعمیل و تکمیل و تحسین کا نام تصوّف و سلوک ہے اور یہی ائمہ فن کا مذہب ہے۔ جس نے اس کے خلاف سمجھا یا کہا وہ نہ شریعت کی حقیقت سے واقف ہے اور نہ وہ تصوّف کو جانتا ہے۔ سلوک یا تصوف کا مقصود اور مطلب ظاہری اعمال کی پابندی کے ساتھ اعمالِ قلبیہ یعنی باطنی اعمال کی تکمیل اور تحسین ہے جو کہ انسان کے دل کے اعمال، احوال، اخلاق اور کیفیات کے ساتھ متعلق ہیں۔

تصوّف اور سلوک میں اصلاً ان اعمال اور عبادات سے بحث کی جاتی ہے اور ان اعمال کے حصول کا طریقہ بتایا جاتا ہے جو کہ انسان کی قلبی اصلاح کے ساتھ متعلق ہیں اور ان قلبی اعمال کا شاخسانہ ظاہری اعمال کی تحسین ہے۔ جو شخص دل کی اصلاح کے درپے ہو اور اخلاص

نیت کے ساتھ دل کو سنوارنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے، اسے صوفی، سالک، طالب و مُرید کہتے ہیں۔ یہاں یہ بات خصوصیت کے ساتھ ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اسلام میں باطن یا دل کی اصلاح بغیر شریعت کی ظاہری تابعداری کے ممکن نہیں۔ دل کی اصلاح کیلئے اولاً دل کا برے اخلاق یعنی رذائل و مفاسد، اور برے عقیدوں سے پاک ہونا ضروری ہے۔ جیسے کوئی زمیندار کھیتی کرتا ہے تو پہلے زمین سے پرانی فصل کی جڑیں نکالتا ہے۔اسی طور پر رذائل کے ازالہ کے ساتھ فضائل کی آراستگی کرنی ہوتی ہے۔ رذائل کے ازالہ کو تخلیہ اور تزکیہ کہتے ہیں اور فضائل سے آراستگی کو تحلیہ کہتے ہیں۔ دل اغراض فاسدہ، غیراللہ کے دھیان، محبت اور خوف سے پاک ہو جائے اور اللہ کی محبت، خشیت اور اخلاص اس میں رَچ جائے، خدا کا دھیان اور ذِکر اس میں راسخ ہو جائے اور اخلاقِ فاضلہ دل کا حال اور کیفیت بن جائیں، اس کو تزکیہ کہتے ہیں۔ تزکیہ بغیر صاحبِ تزکیہ کے عادتاً نصیب نہیں ہوا کرتا۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے اپنی عادت اس دُنیا میں یہ جاری فرمائی ہے کہ سب سے پہلے انبیاء علیہم السّلام کو ایک خاص صفت اور اعمال عطاء فرمائے جو کہ ان کے دل، ان کی صحبت اور باطنی تاثیر کے اعمال تھے، جس کو ہم تزکیہ کے نام سے یاد کرتے ہیں یعنی ان کی صحبت میں جو آتا ہے، وہ انکے فیضِ صحبت، نگاہ کی تاثیر اور صفتِ تزکیہ سے رفتہ رفتہ ان کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ رذائل فضائل سے مبدّل ہو جاتے ہیں اور برائیاں نیکیوں میں مبدّل ہو جاتی ہیں۔

قرآن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صفت کو "ویُزکّیھم" کے نام سے یاد کیا ہے۔ سب سے بڑی مُزکّی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی تاثیر لوگوں کو ہدایت کی طرف مائل کرتی تھی، قلوب کو نکھارتی تھی اور نفوس کو پاک بناتی تھی اور ان کے اندر اللہ کی صفات کا انعکاس کراتی تھی اور گندہ دلوں کو پاک کرا دیتی تھی۔ اب جب وہ دل پاکیزہ ہو جاتے تو ان میں اعمالِ خیر کی تخم ریزی کر کے ان کو اعمالِ صالحہ کا پابند کرتی تھی اور ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا دھیان پیدا کر کے ان کیلئے معرفتِ الٰہی کے دروازوں کو

کھلوا دیتی تھی۔ یہ فیضِ صحبت، یہ تاثیرِ نگاہ، یہ تزکیہ کا کمال سینۂ نبوت سے آپ ﷺ کے صحبت یافتہ اشخاص یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنھم میں منتقل ہوا۔ اور صحابہؓ میں ان کے صحبت پانے والوں یعنی تابعین اور تابعین سے انکے صحبت یافتہ یعنی تبع تابعین متاثر ہوئے اور نسلاً بعد نسل جیسے دِیے سے دِیا روشن ہوتا ہے، اہلِ دل کے قلوب سے مستفیدین کے قلوب روشن ہوتے رہے اور انشاء اللہ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ بقول سید الملت حضرت سید سلیمان ندویؒ کے کہ یہ جو شجرہ میں نام بیان کئے جاتے ہیں، یہ اِنہیں دل جلوں کے نام ہیں۔

ے یہ فیضانِ نظر تھا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی

گویا دل کی اصلاح کیلئے صحبت اور فیضانِ نظر بنیاد کا درجہ رکھتے ہیں۔ لیکن صحبت سے استفادہ اور فیضانِ نظر کی قبولیت کیلئے حجابات اور موانع کا ارتفاع (اُٹھنا) بھی ضروری ہے۔ صحبت اور فیضانِ نظر سے فائدہ اُٹھانے میں موٹی موٹی تین چیزیں حائل ہوتی ہیں۔ عدم اعتقاد وعظمت، اعتراض ظاہری و باطنی یعنی اعتراض لسانی اور دل میں اعتراض پیدا ہو جانا۔ چونکہ یہ چیز رُوحانی ہے اور سراسر نزاکت کو لئے ہوئے ہے اسلئے ادنیٰ قلبی اعتراض بھی فیضان میں تکدّر کا سبب بن جاتا ہے اور تیسرا مانع عدم طلب ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ خالی آؤ گے تو خالی جاؤ گے۔ یعنی طلب سے خالی آؤ گے تو فیض سے خالی جاؤ گے۔ یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ خالی ہاتھ یعنی ہدیہ کے بغیر آؤ گے تو خالی جاؤ گے۔

☆☆☆☆☆☆☆

بیان نمبر ’’۳‘‘

محبت کیا چیز ہے؟

(بعد از نماز عصر اپنے گھر پر)

ہر شخص اپنی تکمیل چاہتا ہے۔ اپنے سے کامل ہونے کے لحاظ سے جب بھی کسی میں کوئی خوبی پاتا ہے تو اس کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ مثلاً کسی میں حسن دیکھا، تو چاہا کہ وہ حسن مجھ میں آ جائے۔ تو وہ حسن تو اس میں آ نہیں سکتا تو کسی حسین کے ساتھ پیار کرنے لگتا ہے اور آرزو کرتا ہے کہ وہ حسن و خوبی مجھ میں منعکس ہو جائے۔ حضرت ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ (تب حیات تھے) فرماتے ہیں کہ انسان کے صرف پانچ حواس نہیں، بلکہ انسان میں ایک اور حس بھی ہے اور وہ محبت ہے۔ دل چاہتا ہے کہ کسی کے ساتھ محبت کی جائے۔

؎ شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اِک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی

انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور انسان کے اندر جو جواہر رکھے ہیں ان جواہر میں ایک جوہر وہ ہے جس سے انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف کشش ہو۔ وہ جوہر انسان کے اندر ڈال دیا گیا اور انسان کی فطرت میں سمو دیا گیا۔ ازل میں اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں ارواح پر ربوبیت کی تجلّی ڈالی اور کہا ’’اَلَسْتُ بِرَبِّکُم‘‘ کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ سب ارواح نے کہا ’’بَلٰی‘‘ کہ کیوں نہیں! آپ ہمارے پروردگار ہیں۔ تو اس تجلّی ربوبیت کی وجہ سے جو کشش اور جذبہ محبت انسان کے دل کے اندر ودیعت کیا گیا اس کی تسلی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی سے ہو سکتی تھی۔ محبت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے پیدا کیا ہے اور اس میں زندگی بخشی اپنی تجلّی سے اور اس کے بعد انسان کی فطرت و قلب عاشق ربّ بن گیا۔ حُب و عشق ہمارے قلب میں سمو دیا گیا۔ مٹی

کے ڈھیلے کی طرح وہ شخص بے کار ہے جس کا ضمیر آتش عشق سے نہ بنا ہو۔ جب انسان کے قلب پر اللہ تعالیٰ کی محبت کی تجلّی ہوئی اور انسان کا قلب طالب رب ہو گیا تو محبت تسلی چاہتی ہے۔ جتنے بھی وصل و فراق کے قصے ہیں یہ سب طلب تسلی ہے کہ کسی طور پر دل کو تسلی ہو جائے۔

ع لگا کے برف میں ساقی صراحیٔ مے لا
جگر کی آگ بجھے جس سے جلد وہ شے لا

یعنی محبت کی جو آگ دل میں لگی ہوئی ہے اس سے سکون اور تسلّی مل جائے۔ دل چاہتا ہے تسلّی کو اور جو محبت کا جذبہ انسان کے دل میں موجزن ہے، اس کی کامل تسلّی جلوۂ جاناں ہے۔ انسان جب دنیا میں آیا تو بے قرار دل کے ساتھ آیا۔ اس کے قرار کیلئے کہیں عورت کے پیچھے پڑا تو کہیں دولت کے پیچھے اور کہیں شہرت کے پیچھے۔ غرض اس دل کے ٹکڑے ہزار ہوئے کوئی یہاں گرا کوئی وہاں گرا۔

ع لختے برد از دل، گزرد ہر کہ ز پیشم
من قاش فروش دلِ صدپارہ خویشم

ترجمہ: جو کوئی میرے سامنے سے گزرتا ہے وہ میرے دل کا ایک ٹکڑا لے لیتا ہے، میں اپنے صد پارہ دل کی قاشیں فروخت کر رہا ہوں۔

حضرت تھانویؒ نے مثال بیان کی ہے کہ جس طرح ایک آئینہ پلنگ پر پڑا ہو اور رات کے وقت اس میں چاند کا عکس دکھائی دیتا ہو۔ اب ایک بچہ آتا ہے اور رونا شروع کر دیتا ہے کہ آئینہ میں جو چاند دکھائی دے رہا ہے یہ مجھے دے دو۔ تو اس کو کس طرح چاند دے سکتے ہو اس کا حل یہ ہے کہ آئینہ کو الٹا دو۔ اس طرح ہمارے دلوں کے آئینہ نے ازل میں جلوہ جاناں دیکھا تھا، جس کیلئے وہ بے قرار ہے اور ہم اس کو اب کبھی کیا دے رہے ہیں اور

کبھی کیا دے رہے ہیں، جس سے اس کی نہ طلب پوری ہو رہی ہے اور نہ تسلّی ہو رہی ہے۔

ے ماہِ من گر بہ تماشہ لبِ شور آمد
ماہیاں شور بر آرند کہ ماہے ماہے

ترجمہ: اگر ہمارا چاند کبھی سمندر کے تماشے کے لئے ساحل کے کنارے آئے تو سمندر کی مچھلیاں شور مچائیں کہ ہمارا چاند آیا ہے۔

بس اصل میں اللہ تعالیٰ ہی ہمارا محبوب ہے، اور یہ دل کی پکار ہے اور ہمارے دلوں کی طلب ہے۔ اسی طلب کے نتیجہ میں ہم کبھی کسی سے اور کبھی کسی سے محبت کرتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کو پیدا کیا اور اس کے سو (۱۰۰) حصے بنائے۔ ۹۹ حصے رحمت کے اپنے پاس رکھے اور ایک حصہ پوری مخلوق پر تقسیم کیا۔ پھر وہ ایک حصہ ہر نوع کی مخلوق پر تقسیم در تقسیم ہو گیا اور یہ اس ایک حصۂ رحمت کی تقسیم در تقسیم کا نتیجہ ہے کہ ایک گھوڑی اپنے بچے کو لات نہیں مارتی۔ محبت کا بحر ذخار اللہ تعالیٰ کی ذات میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات لامتناہی اور انسان کے قلب کا جذبہ بھی لامتناہی ہے۔ اس بناء پر انسان کے قلب کی تسلّی بھی بجز اللہ کی ذات کے متناہی مخلوق سے نہیں ہو سکتی۔ قرآن میں بھی آتا ہے۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد۔ ۲۸)

ترجمہ: دیکھو! دلوں کی تسلّی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہے۔

نامِ لیلیٰ، لیلیٰ کی ذات پر دلالت کرتا ہے۔ حضرت سید سلیمان ندویؒ کا قول ہے۔ اسم میں کشش مسمیٰ کی وجہ سے آتی ہے اور وہ جو مدلول ہے اس کی وجہ سے آتی ہے۔ اسی طرح نام ربّ میں لذّت رب کی وجہ سے ہے۔ مجنوں ایک دفعہ صحرا میں بیٹھا ہوا انگلی سے کچھ لکھ رہا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا۔

؎ گفت مشقِ اسمِ لیلیٰ می کنم
خاطرِ خود را تسلّی می دہم

ترجمہ: بولا لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں اور دل کو تسلی دے رہا ہوں۔

؎ کر رہا ہوں نامِ لیلیٰ کی میں مشق
تا کہ اپنے دل کو ہو بس آسرے کا اک سبق

نام اپنے مدلول پر دلالت کرتا ہے۔ نام میں محبوبیت محبوب کے وجود کی بناء پر آتی ہے۔ ذکرِ الٰہی میں جو تسلّی ہے وہ اس لئے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات تک پہنچا دیتا ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ تم نے یونانیوں کی حکمت پڑھی ہے، ایمان والوں کی حکمت بھی پڑھو۔

؎ حکمت یونانیاں را خواندہ ای
حکمت ایمانیاں را نیز خواند

ترجمہ: تو نے یونانیوں کی حکمت کو پڑھا ہے، ایمان والوں کی حکمت کو بھی پڑھ۔

؎ حکمتِ یونانیاں تو پڑھ چکا
حکمتِ ایمانیاں بھی پڑھ کے دیکھ

فرائڈ نے محبت کو بھی ایک جنسی تقاضا قرار دیا ہے۔ فرائڈ کے نزدیک ماں کی محبت بھی ایک جنسی تقاضے کا حصہ ہے۔ اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی۔ حالانکہ عشق و محبت جتنا پاکیزہ جذبہ ہے، اس سے زیادہ پاکیزہ چیز ہو ہی نہیں سکتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ اس شخص میں کوئی خیر نہیں جو محبت نہ کرتا ہو اور جس سے محبت نہ کی جاتی ہو۔ واقعی وہ دل جس میں محبت نہ ہو وہ سل ہے دل نہیں۔

آسمان بار امانت نتواں برداشت
قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

ترجمہ: آسمان امانت کا بوجھ نہ اٹھا سکا، آخر قرعہ مجھ دیوانے کے نام نکلا۔

ہمارے اکابر کا قول ہے کہ اگر ہم عاشقِ ربّ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہم کو شریعت کی دولت و امانت نہ دیتے۔ قرآن میں آتا ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ، اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًاO (الاحزاب۔۷۲)

ترجمہ: ہم نے دکھلائی امانت آسمانوں کو اور زمین کو اور پہاڑوں کو، پھر کسی نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے، اور اٹھا لیا اس کو انسان نے یہ ہے بڑا بے ترس نادان۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشہ لبِ بام ابھی

ہمارے عشق کے جذبہ نے بار امانت کو قبول کرنے کیلئے لبیک کہا۔ اگر ہم عشق والے نہ ہوتے تو یہ امانت کی دولت نہ ملتی۔ اگر ابلیس اللہ تعالیٰ کا عاشق ہوتا تو مردود نہ ہوا ہوتا اور اگر حضرت آدم علیہ السّلام اللہ تعالیٰ کے عاشق نہ ہوتے تو شیطان کے دھوکہ میں نہ آتے اور اگر دھوکہ میں نہ آتے تو ان پر کمال کے دروازے بند ہوتے۔ عاشق کے سامنے جب محبوب کا نام لیا جاتا ہے تو وہ بے خود ہو جاتا ہے۔ شیطان ظالم جو تھا کیا کیا؟ دکھتی رگ پکڑی، پرانا استاد تھا، ہوشیار تھا، حضرت آدم علیہ السّلام کی دکھتی رگ پکڑی، اس کو معلوم تھا کہ حضرت آدمؑ عاشق خداوند تعالیٰ ہیں تو اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی۔ قرآن کے الفاظ یہ کہتے ہیں کہ دونوں کو بیک وقت بہکایا ''وَقَاسَمَهُمَآ'' دونوں کے سامنے یعنی حضرت آدمؑ اور

بی بی حوّاؑ کے سامنے قسم کھائی۔ ان کو یہ وہم وگمان بھی نہ تھا کہ ہمارے محبوب کی کوئی جھوٹی قسم کھائے گا۔ اگلی بات یہ کہہ دی کہ میں نصیحت کرنے والا ہوں اور عاشق کسی حالت میں بھی محبوب سے جدائی نہیں چاہتا۔ ان کو کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اسلیئے اس درخت سے روکا ہے کہ تم لوگ ''خــا لــدیــن'' یعنی ہمیشہ کیلیئے جنت میں رہنے والے نہ ہو جاؤ۔ جو مارے گئے ہیں تو عشق کی وجہ سے اور جو بچ گئے ہیں وہ بھی عشق کے ہاتھوں۔ محبت ضمیر انسانی میں گوندھی گئی ہے اور اس کی اصل تسلّی اور اطمینان اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ حضرت سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں۔

محبت تو اے دل بڑی بات ہے — یہ کیا کم ہے جو اس کی حسرت رہے
محبت محبت محبت محبت — بڑا لطف دیتا ہے نام محبت
نہ لو سامنے میرے نام محبت — چھلک جائے گا ہائے جام محبت
ازل ابتدأ ہے ابد انتہا ہے — نہ صبحِ محبت نہ شامِ محبت

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے مختلف راستے ہیں۔ ایک ہے خشک راستہ جس میں محبت نہیں اور ایک ہے محبت کی راہ جس میں انجذاب ہے۔ محبت کی راہ جذب کی راہ ہے۔ جذب کی راہ سے کھچاؤ جلدی ہوتا ہے اور معاملہ منٹوں میں طے ہو جاتا ہے۔ اگر محبت نہ ہوتی تو ہم تو مر ہی جاتے۔ اقبال کہتا ہے۔

؎ عشق کی ایک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

زمین، آسمان اور پہاڑوں میں استعداد قبولیت نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ہمارا مقام بتاتا ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ یہ آسمان وزمین تم سے افضل ہیں۔ فضیلت تو تمہارے ہی لئے ہے۔ بارامانت سے مراد شریعت ہے۔ انسان کو مکلّف بنایا گیا ہے اور ارادہ کی دولت

سے نوازا گیا۔حق و باطل کی تمیز رکھ دی گئی۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا (الشمس۔۸)

ترجمہ: پھر سمجھ دی اس کو ڈھٹائی کی اور بچ کر چلنے کی۔

نیکی اور بدی کو فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے اچھائی اور برائی کی تمیز پیدا کر دی ہے اور یہی انسان کی ترقی کا ذریعہ ہے۔اگر کائنات کی دوسری چیزیں اس امانت کو قبول کرتیں تو اللہ تعالیٰ ان میں استعداد پیدا کر دیتے، مگر انہوں نے اس کشمکش سے دامن کھینچا۔انسانوں کو مجاہدہ کی گھاٹی سے نکال کر منزل پر پہنچانا تھا۔انسان جب اس بارِ امانت کو اٹھاتا ہے تو اس کیلئے ترقیات کے دروازے کھلتے ہیں۔اگر ہم اس گھاٹی کو پار کرتے ہیں تو ترقیات ملتی رہیں گی اور تعلق الٰہی بھی بڑھتا جائے گا۔

؎ ہر آن شانِ حسن بدلتی رہی جگر
ہر آن اِک جہان دگر دیکھتے رہے

شیون وصفاتِ ربّ کی جلوہ سامانیاں ہر آن نئی اور ہر لحظہ نئی ہیں۔انسان راہگذر پر ہے، ہر وقت چل رہا ہے، ہر سانس میں راہ طے کر رہا ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں امتحان و آزمائش کیلئے پیدا فرمایا ہے۔

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً۔ (الملک۔۲)

ترجمہ: بنایا مرنا اور جینا تاکہ تم کو جانچے کون تم میں سے کرتا ہے اچھا کام۔

باقی جتنی مخلوق ہے وہ ارادہ سے محروم ہے اس لئے ان کی آزمائش نہیں۔سب کے سب حکم کے ماننے والے ہیں۔ ہر چیز طوعاً وکرھاً اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر جھکائے ہے۔لیکن انسان کیلئے ایسی راہ چاہی گئی جو مجاہدہ کی ہے اور یہ ذریعہ ہے انسان کی ترقی کا۔اس میں مجاہدہ اس بناء پر ہے کہ انسان کے اندر چاہت رکھ دی گئی، اور انسان

کو اختیار دے دیا گیا، اور ساتھ ہی عقل دی گئی، اور حق و باطل کی تمیز دی گئی۔ نفس کی چاہت اکثر اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہوتی ہے۔ اسلئے نفس کو اس کی چاہت کے پورا کرنے سے روکنے میں نفس پر آرہ چلتا ہے اور یہی آرہ جو نفس پر چلتا ہے، یہ مجاہدہ ہے۔ گویا راہِ انسانی مجاہدہ والی راہ ہے اور یہ واحد وسیلہ ہے ترقیات انسانی کا۔ بغیر مجاہدہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ملے تو اس کا وہ مزہ نہیں ہوتا جو مجاہدہ کے بعد ہوتا ہے۔ جس طرح یورپ اور امریکہ میں شادیوں سے پہلے دوستی اور بہت ہی قریبی تعلقات لڑکے اور لڑکی کے درمیان ہوتے ہیں، جس کو Court Ship یا Boy friend اور Girl friend کہتے ہیں۔ اسلئے ان کو شادی ہو جانے سے کوئی خاص لطف حاصل نہیں ہوتا۔ مزہ تو تب ہوتا ہے کہ کوئی چیز تجسّس کے بعد مل جائے۔ جس میں وہ لطف ہوتا ہے جو بغیر تجسس کے کہاں ہوتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں۔

ے عالمِ سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
وصل میں مرگِ آرزو ہجر میں لذتِ طلب

طلب بہت بڑی دولت ہے۔ اگر انسان طالبِ صادق ہو جائے تو منٹوں میں مطلوب حاصل ہو جائے گا۔ محمود بننا آسان ہے ایاز بننا مشکل ہے۔ اس لئے فرمایا گیا

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (البقرہ۔۱۶۵)

ترجمہ: وہ لوگ جو ایمان لائے وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

یہ ہے محمودی شان۔ یہ فطری بات ہے کہ محبّ چاہتا ہے کہ محبوب مجھ سے محبت کرے۔ تو اس کا نسخہ بتایا۔

اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ
(ال عمران۔۳۱)

کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم (یعنی سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع کرو تو محبوبِ خدا بن جاؤ گے اور تمہارے گناہوں کو بھی اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔

غفران کے نتیجے میں تمہاری کمی اور کوتاہی کو اللہ تعالیٰ معاف کرے گا اور رحیمی کی شان سے تمہاری محبت بڑھائے گا۔ میرا محبوب وہ ہے کہ جتنا اس پر نظر کرتے جاتے ہیں تو اپنا حسن بڑھتا ہے۔ مامون الرّشید کا ایک شعر ہے جس کا معنیٰ ہے کہ میں تیری آنکھوں کو دیکھ رہا ہوں کہ تو کس سے مل کر آیا ہے کیونکہ تیری آنکھوں نے کسی کا حسن چرا لیا ہے۔ محمود بننا آسان ہے اور ایاز بننا مشکل ہے۔ ایاز بننے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی چاہت کو مٹا دے۔ ایاز کا کمال کیا تھا! محمود کے سامنے پامال تھا۔ محمود اگر کسی بات کے متعلق اس سے پوچھتا تھا کہ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تو کہتا تھا کہ جو جناب کی رائے ہے، وہی میری رائے ہے۔ محمود کے باقی مقرّبین اور درباریوں نے محمود سے شکایت کی کہ آپ نے ایاز کو بہت سر چڑھایا ہے اور ہر کام میں اس کو آگے آگے کرتے ہیں۔ محمود نے درباریوں کو بتانے کیلئے کہ کیوں میں ایاز کو آگے آگے کرتا ہوں اور اس کی قدر کرتا ہوں۔ ایک قیمتی ہیرہ مقرّبین کو دیا کہ اس کو توڑو۔ ہر ایک درباری نے کہا کہ حضرت یہ اتنا قیمتی لعل ہے، اس کو میں نہیں توڑ سکتا ضائع ہو جائے گا۔ اس کے توڑنے سے کیا فائدہ ہوگا! اس طرح ہر درباری نے یہ جواب دیا۔ جب ایاز کو دیا تو اس نے فوراً توڑ دیا۔ سب درباریوں نے اس پر طعن کیا کہ اتنا قیمتی لعل توڑ دیا۔ محمود نے کہا کہ مجھے اس کی یہ ادا بھاتی ہے کہ میرے حکم کو دیکھتا ہے اور میری منشاء کو دیکھتا ہے، اپنی نہیں چلاتا۔ بہرحال انسان اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے اپنے کو ایسا مٹائے کہ یہ حال ہو جائے۔

؎ زندہ کنی عطائے تو، وربکشی رضائے تو
دل شدہ مبتلائے تو، ہر چہ کنی فدائے تو

ترجمہ: اگر زندہ کریں تو آپ کی عطا، مار ڈالیں تو آپ کی رضا
دل ہوا آپ کا مبتلا (عاشق)، جو کریں آپ پہ فدا (قربان)

جس نے اپنے آپ کو مٹایا تو کمال کو پہنچ جائے گا۔ جب انسان پامال ہوتا ہے تو ترقی کرتا ہے۔

؎ مٹادے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل وگلزار ہوتا ہے

☆☆☆☆☆☆☆

بیان نمبر "۴"

تقویٰ اور تصوّف

(بمقام اکیڈمی برائے ترقیٔ دیہات ۱۲ فروری ۱۹۶۹)

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہٖ الکریم.

یٰٓاَیُّھَاالنَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ. (البقرہ۔۲۱)

ترجمہ: لوگو! بندگی کرو اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا اور جو تم سے پہلے تھے تا کہ تم متقی بن جاؤ۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بندگی کرو اپنے پروردگار کی تا کہ تم متقی ہو جاؤ۔ گویا بندگی کا حاصل تقویٰ ہے۔ بندگی مقصدِ آفرینشِ انسانیت ہے۔ اسلام کے نزدیک بندگی چند تعبدی اعمال کا نام نہیں۔ بیشک تعبدی اعمال بندگی کے سرِ عنوان ہیں۔ اسلام نے بندگی کو صرف نماز روزہ میں محدود نہیں کیا بلکہ انسان کا ہر فعل جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق ہو اور رضائے الٰہی کیلئے ہو، وہ بندگی ہوگی اور وہ تقویٰ ہوگا۔ چاہتِ نفس مٹ جائے اور خدا کی چاہت انسان کے اندر رسوخ کر جائے، جذبۂ نفسانی مٹ کر جذبۂ رحمانی بن جائے تو ربّانیت پیدا ہوگی اور وہ شخص ربّانی کہلائے گا۔ اسلام نے ہم کو فکر کی تبدیلی کی دعوت دی ہے، اور نری فکر کی تبدیلی پر بھی اسلام نے اکتفا نہیں کیا بلکہ پوری زندگی کی تبدیلی کی دعوت دی ہے۔ ظاہری اعمال کے بدلنے پر بھی زور دیا ہے اور باطنی اعمال کے سنوارنے اور ٹھیک کرنے پر بھی زور دیا ہے کہ باطن منور ہو جائے۔ میرے آقا سید الانبیاءؐ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ سَرِیْرَتِیْ خَیْرًا مِّنْ عَلَانِیَتِیْ وَاجْعَلْ عَلَانِیَتِیْ صَالِحَۃً

(ترمذی)

ترجمہ: اے اللہ میرے باطن کو میرے ظاہر سے بھی اچھا کر دے اور میرے ظاہر کو

درست کر دے۔

ظاہر بھی اچھا ہو اور باطن اس سے بھی اچھا ہو۔ ہمارا ظاہر بھی شریعت پر ہو اور باطن بھی۔ بلکہ اسلام تو یہاں تک چاہتا ہے کہ ہماری زندگی کے اجتماعی گوشے بھی بندگی کے رُخ پر ہوں۔ عدل بھی خدا کے احکام کے مطابق ہو۔ کسی انسان کے بنائے ہوئے قانون کو ہم ہزار بار عدل کہیں، اسلام کے نزدیک وہ ظلم ہے۔ یہ صرف ایک خدا کیلئے زیبا ہے کہ تمام انسانوں کے معاملات اور ضروریات کو سامنے رکھ کر قانون بنائے۔ اگر خدا کے قانون کے مطابق عدالت میں بیٹھ کر کوئی قاضی فیصلہ کرے تو اس کا وہ فیصلہ عبدیت ہوگا۔ آپ کسی مسلمان حکومت کے دفتر میں بیٹھ کر خدا کے حکم کے مطابق لوگوں کی خدمت کرتے ہیں، یہ بھی عبدیت ہے۔ آپ رشوت نہیں لیتے بلکہ خدا کا ڈر زندگی کے ہر شعبہ میں لے کر چلتے ہیں تو آپ متقی ہیں اور آپ کی زندگی بندگی والی زندگی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی ایک پودا لگائے اور اس سے حیوان، انسان، پرند، چرند وغیرہ کھائیں یا سایہ میں بیٹھ کر آرام کریں تو اس کا اس پودا لگانے والے کو ثواب ملے گا۔ صوفیاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کا کھیت ہے اور اس میں دس من غلہ پیدا ہو سکتا ہے اور وہ شخص کام چوری کی وجہ سے محنت پوری نہیں کرتا اور غلہ کم پیدا کرتا ہے تو اس سے قیامت کے دن پوچھ ہوگی۔ مولانا جامیؒ نے لکھا ہے کہ اگر آپ کھیت میں ہیں تو بھی آپ عبدیت کی زندگی گزار سکتے ہیں۔ اگر تاجر ہیں اور کسی سے ناجائز منافع وصول نہیں کرتے تو یہ بھی عبدیت کی زندگی ہے۔ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور آپس میں بھائی چارہ کرتے ہیں۔ اگر آپ کسی چیز کو ان کے ہاتھ بیچتے ہیں اور ان کے ساتھ دھوکہ نہیں کرتے تو یہ بھی عبدیت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سچے تاجر کا حشر انبیاء اور صدّیقین کے ساتھ ہوگا۔ آپ اللہ کے راستہ میں ہیں جب آپ اسلام کے کلمہ کو بلند کرنے کیلئے دعوت دیتے ہیں، تبلیغ کرتے ہیں اور جہاد کرتے ہیں تو یہ بھی آپ عبادت کر رہے ہیں۔ اگر آپ حکومت کی کرسی پر ہیں اور عدل کر رہے ہیں تب بھی آپ عبادت کر رہے ہیں۔ اسلام میں عبدیت کا تصور زندگی کے چند

گوشوں تک محدود نہیں بلکہ انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی پر حاوی ہے۔ عبدیت زندگی کی وہ راہ ہے جو انسان کو خدا تک پہنچاتی ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

مصلحت در دینِ عیسیٰ غار و کوہ
مصلحت در دینِ ما جنگ و شکوہ

ترجمہ: عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں بہتری غاروں میں بیٹھ کر عبادت کرنا ہے اور ہمارے دین میں بہتری حق کیلئے لڑنے اور اسلامی حکومت قائم کرنے میں ہے۔
عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب میں مصلحت یہ تھی کہ غار و کوہ میں خدا کو تلاش کرتے تھے اور ہم کو اللہ تعالیٰ جنگ و جہاد میں بھی ملیں گے۔

سروری در دین ما جنگ و شکوہ است
سروری در دین عیسیٰ غار و کوہ است

اگر ہم بادشاہی کے تخت پر ہیں تو سروری ہمارے لئے خدمت خلق ہے۔ حضرت عمرؓ کی عدالت اور حضرت علیؓ کا فقر ہماری تاریخ کی درخشندہ مثالیں ہیں۔ خود تو فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے لیکن اوروں کی زندگیاں بناتے تھے۔

خود تو بھوکے رہتے تھے اوروں کو کھلا دیتے تھے
کتنے صابر تھے محمد ﷺ کے زمانے والے

شاہی، شاہی کیلئے نہیں کرتے تھے بلکہ مخلوق کی خدمت اور عدل و انصاف کو قائم کرنے کیلئے کرتے تھے۔ مسلمان جس مقام پر بھی ہوگا عبدیت کی زندگی گذارے گا۔ عبدیت کی زندگی گزارنے سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ گویا تقویٰ نتیجہ ہے عبدیت کا اور عبدیت نام ہے اپنی زندگی کو خدا کی رضا کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر گذارنے کا۔ اگر ہم اپنے آپ میں تقویٰ پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ہر قدم کو اٹھانے سے پہلے اپنے دل کو ٹٹولیں کہ یہ عمل میں کس کیلئے کر رہا ہوں۔ ہمارا داعیۂ عمل خدا کی رضا ہو، جسے اخلاص کہتے ہیں اور اخلاص سب سے اونچا مقام

ہے۔ایک ہوتی ہے عمل کی جان اور ایک ہوتا ہے عمل کا جسم۔اجسام تو مختلف ہوں گے۔کبھی آپ کھائیں گے،کبھی آپ کھلائیں گے۔کبھی جنگ میں ہونگے،کبھی نیند میں،مگر جانِ عمل یعنی اخلاص ایک ہوگا۔جس طور پر جانِ عمل اخلاص ہے،اس طور پر رونقِ عمل احسان ہے۔احسان کسے کہتے ہیں؟ میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ

(بخاری،مسلم)

ترجمہ: اپنے پروردگار کی بندگی اس طور پر کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تو تم کو دیکھ ہی رہا ہے۔

یعنی عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا دھیان ہو کہ وہ دیکھ رہا ہے۔اگر کسی کا کوئی مہربان آقا ہے اور وہ اس کے کسی عمل پر خوش ہو رہا ہو تو آقا کی حضوری پر وہ عمل اچھا کرے گا اور اس کے عمل میں رونق ہوگی۔کیفیتِ احسان ہمارے دل کی کیفیتِ دائمہ بن جائے۔یعنی ہر حال میں ہم خدا کو حاضر و ناظر جان رہے ہوں۔

؎ حاصل ہو مجھے ہر دم اک حال حضوری کا
آ دل میں میرے آ جائے صورتِ جانانہ

؎ قربِ بے غیبت نماز عاشقان
فی صلوٰۃً دائمونم آرزواست

ترجمہ: عاشقوں کی نماز آپ کا ایسا قرب اور نزدیکی ہے جس میں آپ ان سے غائب نہ ہوں۔ایسی نماز کی چاہت ہے جو بہت زیادہ سکون اور توجہ والی ہو۔

ایک عمومی نماز ہے یعنی پانچ وقت کی نماز جبکہ عاشقوں کیلئے دائمی نماز کی کیفیت ہوتی ہے۔یعنی ان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے اور قربت کا دھیان ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نعمتوں کو بارش کی طرح برستا ہوا دیکھ رہے ہوتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رحم و

کرم وفضل واحسان اور محبت کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اگر انسان کو سردی لگ رہی ہو تو ہڈیاں سست پڑ جاتی ہیں۔ مگر دھوپ میں بیٹھ جانے سے ہڈیوں میں ایک طاقت محسوس ہوتی ہے۔ اسی طور پر اگر آپ کا تصور دائمی یہ ہو جاتا ہے کہ خدا میرے دل کو محبت کی نگاہ سے دیکھ رہا ہے اور خدا کا دھیان دل میں سما جائے تو دلوں میں جان آ جائے گی۔ حضوری دراصل قلب میں اللہ تعالیٰ کا دھیان حاصل ہونے کو کہتے ہیں اور دھیانِ الٰہی دل میں عشقِ الٰہی پیدا کرتا ہے اور دلوں میں محبت کی آگ بھڑک جاتی ہے۔ جیسے آتشی شیشہ کو سورج کے بالمقابل کرنے سے کسی چیز میں آگ لگ جاتی ہے۔

مقامِ گفتگو کیا ہے اگر میں کیمیا گر ہوں!
یہی سوزِ نفس ہے اور میری کیمیا کیا ہے!
نوائے صبح گاہی نے جگر خوں کر دیا میرا
خدایا جس خطا کی یہ سزا ہے وہ خطا کیا ہے؟

تار نفس پاس انفاس کو کہتے ہیں کہ کوئی سانس اللہ تعالیٰ کے دھیان کے بغیر نہ چلا جائے۔ جس طور پر برما (Drill) لکڑی کو چیر دیتا ہے اسی طور پر دھیانِ ربّ کی کثرت دلوں میں برما کر کے خدا کی عظمت ومحبت وخشیت کو پیدا کر دیتی ہے۔ اعمال کی جان اخلاص ہے اور اعمال کی رونق احسان ہے۔ احسان کثرتِ ذکر سے میسر آتا ہے۔ ذکر وہ ذکر جو مع الحقیقت ہو، یہ نہیں کہ صرف زبان پر اللہ کا نام ہے اور دل کہیں اور مشغول ہو۔

؎ بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر
این چنیں تسبیح کے دارد اثر

ترجمہ: زبان پر تسبیح اور دل میں گائے اور گدھے (غیر اللہ) کا خیال، ایسی تسبیح کا کیسے اثر ہوگا؟

ذکر میں تین چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک مذکور یعنی اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی، ایک الفاظِ

ذکراور ایک ہے ذاکر۔ الفاظِ ذکر آپ کی زبان ادا کرے گی اور یاد دل کا کام ہے۔ الفاظ دلالت کرتے ہیں مذکور پر۔ سامنے ہوگا مذکور اور اللہ کا دھیان آپ کے دل و دماغ میں سمویا ہوگا تو یہ ذکر مع الحقیقت ہوگا۔ ہم صرف الفاظِ ذکر کو ذکر سمجھتے ہیں۔ آپ کو اگر اماں یاد آ گئی اور زبان سے نام نہ لو گے لیکن اس کا تصوّر و خیال آپ کے دل میں ہوگا اسی طرح یادِ حق دل کا فعل ہے۔ لیکن چونکہ اسم مسمیٰ پر دلالت کرتا ہے، اس لئے محبوب کا نام بھی محبوب ہے۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد۔۲۸)

ترجمہ: آ گاہ رہو دلوں کا اطمینان اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہے۔

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلاً (المزمل۔۸)

ترجمہ: اور پڑھے جا نام اپنے رب کا اور چھوٹ کر چلا آ اُس کی طرف سب سے الگ ہو کر۔

اللہ کو یاد کیا کرو۔ پس آپ اللہ کے دھیان میں ڈوبے ہوئے ہوں۔ جیسے کوئی پانی کی موج میں ڈوبا ہوا ہو تو وہ پانی کا تذکرہ کرے یا نہ کرے پانی کا اثر اس پر ہوگا۔ جو حالتِ شہود میں ڈوب گیا اُسے پتہ لگے گا کہ اگر الفاظِ ذکر بند ہو گئے، تب بھی ذکر کی حقیقت حاصل ہو گی۔ مولانا رومؒ نے مجنوں کی حکایت لکھی ہے کہ مجنوں بیٹھا ہوا تھا اور ریت پر انگلیوں سے کچھ لکھ رہا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ مجنوں کیا کر رہے ہو؟ کہا

ؔ گفت مشقِ اسمِ لیلیٰ می کنم
خاطر خود را تسلی می دہم

ترجمہ: اس نے کہا میں لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں اور اس طرح دل کو تسلی دے رہا ہوں۔

اگر نام والا نہیں، تو نام ہی سہی۔ ذکر دلالت کرتا ہے، مذکور پر۔ نام سے، آپ نام والے تک پہنچ جائیں گے۔ صوفیاء کہتے ہیں

؎ یاد کر، بس یاد کر، بس یاد کر
یاد سے غفلت کو تُو برباد کر

اللہ تعالیٰ تو ہم سے ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ مگر دوری تو ہماری طرف سے ہے۔

نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ (ق۔۱۶)

ترجمہ: ہم اس سے نزدیک ہیں دھڑکتی رگ سے زیادہ۔

؎ دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

زاہد نے شہر چھوڑا، جنگل میں جا کے بیٹھا
جس کی تلاش اس کو، وہ ہے بغل میں بیٹھا

ہم ہر جگہ کی مسافت کو طے کرتے ہیں لیکن نفس سے دل تک کی مسافت کو طے نہیں کرتے کہ نفسانی تقاضوں سے نکل آئیں اور قلب کے تقاضوں کو اپنا لیں۔ قلب کی غذا اعمالِ صالحہ اور ذکر اللہ ہے۔ جتنا آپ اللہ کا ذکر کرتے رہیں گے دل زندگی پاتا چلا جائے گا۔ جب تک قلب یادِ حق سے منوّر رہوگا دل کی زندگی بڑھتی چلی جائے گی۔ قرآن میں آتا ہے

فَاذۡکُرُوۡنِیۡۤ اَذۡکُرۡکُمۡ (البقرہ۔۱۵۲)

ترجمہ: سو تم یاد رکھو مجھ کو، میں یاد رکھوں تم کو۔

جب آپ اللہ کو یاد کرتے ہیں تو اللہ آپ کو یاد کرتا ہے اور جب آپ اللہ کی یاد میں آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی توجہات کے مورد بنتے ہیں۔ جب آپ اللہ کو یاد کرینگے تو اللہ کی ذات سے ایک رابطہ شعاعِ نور قائم ہو جائے گا، اسی رابطہ کو نسبت کہتے ہیں۔ خدا کا تعلق آپ کو نصیب ہوگا اور آپ کی عبدیت بڑھتی چلی جائے گی۔ مؤمن اپنی جی چاہی چیزوں کا طالب نہیں ہوتا بلکہ اس کا مزاج یہ ہوتا ہے وصال کیا ہے؟ فراق کیا ہے؟ دوست کی رضا کو طلب کرو۔ اس کی رضا

کے سوا کسی اور چیز کو طلب نہ کرنا۔ عاشق کی مثال تو ایسی ہونی چاہئے۔

ے نہ یہ چاہتا ہوں، نہ وہ چاہتا ہوں
خدا کے لئے بس خدا چاہتا ہوں

خدا کی طلب بھی صرف خدا ہی کے لئے ہو، یعنی تو میرے لئے اور میں تیرے لئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا ہے اے اللہ! تو میرے لیے ہو جا اور مجھے اپنا بنا لے۔ خدا کی طرف سے جب انوارات کا نزول ہوتا ہے تو انسان کے اندر توحید پیدا ہوتی ہے۔

اور وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلاً (المزمل۔۸)

ترجمہ: اور پڑھے جا نام اپنے رب کا اور چھوٹ کر چلا آ اُس کی طرف سب سے الگ ہو کر۔

انسان میں مخلوق سے تبتل کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر یہ حالت ہو جاتی ہے کہ

ع سب سے توڑوں تجھ سے جوڑوں تیری گلی کے ڈھور بٹوروں

جب آپ اللہ سے تعلق قائم کرینگے تو اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی صفات کو کھولیں گے اور آپ کا اعتقادی علم عرفانی علم میں بدلنے لگے گا۔ آپ پھر دل کے اندرون سے کہیں گے کہ خدا عالم ہے، سمیع ہے، بصیر ہے۔ پہلے آپ خدا کو رازق کہتے تھے لیکن جب توحید میسر آئے گی تو اللہ پاک کا نظامِ ربوبیت کھلے گا اور آپ کا یہ یقین اور وجدان بنے گا کہ اگر پورے عالم میں ایک دانہ نہ ہو تب بھی آپ مطمئن ہونگے کہ اللہ پاک پالیں گے اور اس سے توکل علی اللہ پیدا ہوگا۔

وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَاناً (الانفال۔۲)

ترجمہ: اور جب پڑھا جائے ان پر کلام اس کا تو زیادہ ہو جاتا ہے ان کا ایمان۔

توکل ہاتھ توڑ کر بیٹھنے کا نام نہیں بلکہ اللہ پر بھروسہ کرنا توکل ہے۔ یعنی شریعت کے احکام کے تحت عمل کرنے کے بعد جو نتیجہ نکلے گا اُس پر راضی ہونگے۔ اِنسان کہے گا کہ اللہ تعالیٰ

حکیم ہے۔ جو بھی معاملہ میرے ساتھ کرے گا، اُس میں خیر ہی خیر ہوگی۔ تو اس سے تفویض پیدا ہوگی۔

؎ سپردم به تو مایه خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

ترجمہ: میں نے اپنی پونجی آپ کے سپرد کردی، آپ ہی کمی اور زیادتی کے حساب کو جانتے ہیں۔

تفویض کے نتیجہ کے طور پر تسلیم پیدا ہوگی۔ صوفیاء کا ایک طبقہ اخلاص کو اونچا مقام سمجھتا ہے اور ایک طبقہ تسلیم ورضا کو۔ اور پھر یہ حالت بن جاتی ہے کہ

؎ زنده کنی عطائے تو، وربکشی رضائے تو
دل شده مبتلائے تو، ہر چه کنی فدائے تو

ترجمہ: زندہ کریں تو آپ کی عطا ہے، مار ڈالیں تو آپ کی رضا ہے۔ دل آپ پر آ گیا ہے اب جو کچھ کریں ہم آپ پر قربان ہیں۔

حضرت عثمان ہارونیؒ جو حضرت معین الدین اجمیریؒ کے شیخ تھے، کا ایک شعر ہے۔

؎ بہرِ قتلم چوں کشد تیغ نہم سر بسجود
او به نازے عجبے من به نیازے عجبے

ترجمہ: جب وہ میرے قتل کے لیے تلوار کھینچتا ہے تو میں سر کو سجدہ میں رکھ دیتا ہوں۔ وہ عجیب ناز وادا کا اظہار کر رہے ہیں اور میں عجیب نیاز (اطاعت) کر رہا ہوں۔ وہ ناز آزما رہا ہے اور میں نیاز آزما رہا ہوں۔

؎ نشود نصیب دشمن که شود ہلاك تیغت
سرِدوستاں سلامت که تو خنجر آزمائی

ترجمہ: یہ دشمن کی قسمت نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو، دوستوں کا سر سلامت رہے

جس پر تو اپنا خنجر آزمائے۔

؎ ہمہ آہوانِ صحرا سر خود نہادہ برکف

بہ اُمید ایں کہ دلبر بہ شکار خواہی آمد

ترجمہ: صحرا کے سارے ہرن اپنے سر ہتھیلیوں پر رکھ کر اس امید پر کھڑے ہیں کہ ان کا محبوب شکار کو آئے گا۔

مقصود یہ ہے کہ خدا کا ہو جانا اور خدا کا ہو جانے کے بعد خدا کے ہر تشریعی اور تکوینی حکم پر اس طور پر راضی ہو جانا کہ اگر خدا کا یہ حکم میرے لئے نہ ہوتا تو میں ناقص ہوتا۔ اپنی چاہت اور مرضی کو اللہ کی رضا میں فنا کرنے کو فنا فی اللہ کہتے ہیں۔ ہماری مشکلات ہماری تجویزوں کی بنا پر پیدا ہوتی ہیں، ہم پہلے سے کوئی چیز تجویز کر لیتے ہیں اور جب وہ پوری نہیں ہوتی تو ہم پریشان ہو جاتے ہیں۔ اپنی تجویز کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دو، جیسے کہ ایک چھوٹا بچہ اپنے آپ کو والدین کے سپرد کر دیتا ہے۔ بہلول دانا ایک دفعہ بیٹھا ہوا تھا۔ ہارون الرّشید بادشاہ کا گزر ہوا۔ بہلول سے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ بہلول نے کہا کہ اُس کا حال کیا پوچھتے ہو جس کے اشاروں پر دُنیا ناچتی ہے۔ ہارون نے کہا کہ یہ کیا کفر کے کلمات کہہ رہے ہو۔ بہلول نے کہا جب میں نے اپنی مرضی کو اللہ کے مرضی میں فنا کر دیا تو جو اللہ چاہتا ہے اور جو اللہ کرتا ہے وہی میں چاہتا ہوں۔ میری اپنی کوئی چاہت اور مرضی ہے ہی نہیں۔ من وتو کا پردہ بیچ سے ہٹا دو، اپنی خواہش کو خدا کی مشیت میں ضم کر دو تو دُنیا میں جنّت کا مزہ آئے گا۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (یونس۔۶۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے ولیوں پر نہ خوف ہے اور نہ اُن کو کوئی غم ہے۔ اتنا بڑا اللہ جو رکھتا ہو اُس کو کیا غم اور کیا خوف ہوگا۔

ع چہ غم داری چوں ربّ داری

جو خدا کر رہا ہے، اس پر راضی ہے اور یہ سمجھ رہا ہے کہ جو میرا ربّ میرے ساتھ معاملہ

کر رہا ہے، اُس میں عین میرا فائدہ ہے۔ جیسے ڈاکٹر انجکشن لگاتا ہے اور اُس میں تکلیف اور درد گوارا کرتے ہیں کہ اس میں میرا فائدہ ہے اور ڈاکٹر کو فیس بھی دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ بھی چٹکی کاٹ لے، اُس میں بھی وہ مزہ ہے، جس کا ہم تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ بعض اوقات پیار سے چٹکی لیتا ہے، اس کے سامنے ہماری پوری زندگی ہے، اور ہماری پوری زندگی کو دیکھ کر معاملہ کرتا ہے۔ مسلمان پہلے کبھی خودکشی نہیں کرتے تھے۔ اللہ کی رضا پر شاکر تھے۔ یورپ اور امریکہ میں بہت خودکشیاں ہوتی ہیں، اس لئے کہ اُن کا خدا کے ساتھ تعلق نہیں۔ جب پریشان ہو جاتے ہیں تو زندگی سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لئے خودکشی کر جاتے ہیں۔ توحید کے بعد جب ربِّ کریم کی کرم فرمائیاں اپنے اُوپر دیکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کا معائنہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ اور جب اپنے اعمال کو دیکھتے ہیں تو خدا کی خشیت پیدا ہوتی ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائیں۔ خدا کی خشیت اعمال کا پابند کرتی ہے اور محبت اعمال کی تکثیر پر ڈالتی ہے اور اُس کے ساتھ انسان میں لِلّٰہیت پیدا ہوتی ہے ان چیزوں کو صوفیاء مقامات کہتے ہیں۔ جب دل خدا کا مطیع ہو جاتا ہے تو جسم بھی دل کے تابع ہے، حدیث میں آتا ہے۔

اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: بیشک تمہارے جسموں کے اندر گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ درست ہو گیا تو پورا جسم درست ہو جائے گا اور اگر اس میں بگاڑ آ گیا تو پورے جسم میں فساد و بگاڑ ہو گا، آگاہ رہو کہ وہ دل ہے۔

دل کو سنبھالو تو سنبھل جاؤ گے۔ دل خدا کا بن جائے گا تو جسم بھی خدا کا بن جائے گا۔ خدا کا بننے کا طریقہ کیا ہے؟ خدا کو ہم نے دیکھا نہیں نہ خدا کے معاملات کو جانا ہے لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کھلی ہوئی ہے۔ ان کی زندگی اپناؤ تو زندگی بن جائے گی۔ خداوند

قدّوس نے فرمایا ہے۔

اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ (ال عمران۔۳۱)

ترجمہ: اگر تم کو خدا سے محبت ہے، تو میری اطاعت کرو، اللہ تم سے محبت کرینگے۔

محبوب کی ہر ادا میں شانِ محبوبیت ہوتی ہے۔

؎ قہر ہو یا مہر ہو یا کچھ بھی ہو
ہر ادا محبوب کی محبوب ہے

؎ ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا است

ترجمہ: سر سے پاؤں تک ہر جگہ جو نظر ڈالتا ہوں تو اس کا نظارہ دل کے دامن کو کھینچتا ہے کہ یہی جگہ خاص جگہ ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا محبوب ہے۔ جس میں ادائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پائی جائے گی وہ بھی خدا کا محبوب ہو جائے گا۔ جب آپ میں محبوبیت آئے گی تو آپ کا تعلق خدا کے ساتھ انجذاب کے رُخ کا ہوگا۔ جیسے پانچ من مقناطیس کے ساتھ دو تولہ لوہا رکھ دیا جائے تو وہ دوڑ کر مقناطیس کے ساتھ چمٹ جائے گا۔ اسی طرح اگر آپ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ادائیں ہوں تو اللہ کی محبت اپنے طرف کھینچ لے گی۔ وصالِ خدا کا یہ مطلب نہیں کہ خدا کی گود میں جا کر بیٹھ جاؤ گے۔

؎ ادب سے دیکھ لیں مشتاق دور سے ان کو
مجال ہے جو کوئی ان کو ہم کنار کرے

خدا کی رضا کا مل جانا ہی وصال ہے۔ جو قدم بھی خدا کی رضا کے لئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر اُٹھاؤ گے، وہ منزل ہوگا۔ اسی کو تقویٰ کہتے ہیں۔ تقویٰ نام ہے دل کے اندر خدا کے ایسے تعلق و دھیان کے قائم ہو جانے کا کہ گویا خدا تمہارے سامنے ہے اور آپ اُس

کے سامنے ہیں۔ تصوّف وسلوک کیا ہے؟ کہ زندگی کا جز وکُل، ظاہر و باطن اللہ کے حکم کے مطابق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہو۔ تصوّف کو آپ طریقِ تقویٰ کہہ لیجئے۔ حقیقتِ تصوّف اسلام کے جز وکل پر حاوی ہے۔ گلاب کو جہاں پر بھی سونگھو، گلاب کی خوشبو آئے گی۔ انسان نرے کانوں سے نہیں بنتا۔ بعض اوقات سن سن کر سُن ہو جاتا ہے۔ انسان آنکھ سے بھی بنتا ہے، اہلِ دل کی صحبت سے انسان بنتا ہے۔ نرے کتابوں کے انبار آپ کو داب کر رکھ لیں گے، اور کتابوں کی سیاہی دل میں سیاہی پیدا کرے گی اگر اہل اللہ کی صحبت ساتھ نہ ہو۔

ع بے قلا ذراندراین صحرا مرو

ترجمہ: اس صحرا میں بغیر رہنما کے مت چلو۔

سلوک کی راہ پر بغیر استاد (پیرو شیخ) کے نہ چلو۔ اگر پیر کے نام سے چڑ ہو تو استاد کا نام لے لو، رہنما کو پکڑ کر چلو مگر رہنما کو شروع میں اچھی طرح پرکھو اور جانچو، کہیں راہزن نہ ہو۔

ع اے بسا ابلیس آدم روئے است

ترجمہ: بعض اوقات شیطان آدمی کے رُوپ میں ہوتا ہے۔

پہلے سو دفعہ دیکھو اور جب اطمینان ہو جائے تو پھر اپنی عقل کے گھوڑے نہ دوڑاؤ۔

؎ آزمودم عقل دور اندیش را
بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

ترجمہ: دور تک سوچنے والی عقل کو آزمایا اس کے بعد اپنے آپ کو دیوانہ بنایا۔

؎ قال را بگزار مردِ حال شو
پیش مردِ کاملے پا مال شو

ترجمہ: بول چھوڑ و حال والے بنو اور کسی کامل بندے کے آگے پامال ہو جاؤ۔

؎ مولوی ہرگزِ نہ شُد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزی نشود

ترجمہ: مولوی ہرگز مولانا رومؒ نہ بن سکا جب تک شمس تبریزؒ کا غلام نہ بنا۔

جب تک انسان کسی کی تہہ نہیں کھاتا آدمی نہیں بنتا۔ معلومات تو حاصل ہو جائیں گی۔ معلومات کی جگہ دماغ ہے اور علم کا محل دل ہے۔ سیّد صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کے بغیر بھی کہیں دل کی روشنی ملتی ہے؟ اگر دلوں کی روشنی چاہتے ہو تو کسی روشن دل والے کو تلاش کرو۔

☆☆☆☆☆☆

شجرۂ طیّبہ سلسلہ چشتیہ صابریہ

(فارسی)

حضرت اشرف، عزیز و حضرت یٰسین نگین

بہر ایشاں سوزدہ در دل الٰہ العٰلمین

سیدی شیخے رشید احمد امام وقت خویش

دہ مرا صادق یقیں از بہر جاہش اے غنی

بہر امداد و بنور حضرت عبد الرّحیم

عبدِ باری عبدِ ہادی عضدِ دیں مکی ولی

ہم محمدی و محب اللّٰہ و شاہِ بوسعید

ہم نظام الدّین جلال و عبدِ قدوسِ احمدی

ہم محمد عارف و ہم عبدِ حق شیخ جلال

شمس دیں ترک و علاؤ الدین فرید جودھنی

قطب دین و ہم مُعین الدّین وعثمان و شریف

ہم بمودود و ابویوسف محمد احمدی

بو اسحاق و ہم بممشاد و ہبیرہ نامور

ہم حذیفہ و ابنِ ادھم ہم فضیل مرشدی

عبدِ واحد ہم حسنِ بصری علی فخر دیں

سید الکونین فخر العٰلمیں بشریٰ نبی

پاک کن قلب مرا تو از خیال غیر خویش

بہر ذاتِ خود شفا یم دہ ز امراض دِلی

☆☆☆☆☆

شجرۂ طیّبہ سلسلہ چشتیہ صابریہ

بِسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

(مَثَلُ مَا فِی الْاٰیَۃِ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلاً کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ
اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ)

حمد ہے سب تیری ذات کبریاء کے واسطے　　اور درود و نعت ختم الانبیاء کے واسطے
اور سب اصحاب و آل انبیاء کے واسطے

دربدر پھرتی ہے خلقت التجا کے واسطے　　آسرا تیرا ہے پر مجھ بےنوا کے واسطے
رحم کر مجھ پر الٰہی اولیاء کے واسطے

اِن بزرگوں کو شفیع لایا ہوں میں ہو کر ملول　　کیجیو یہ عرض میری ان کی برکت سے قبول
ہاتھ اٹھاؤں جب ترے آگے دعا کے واسطے

دیں میں مجھ کو شرف دے اور حق میں دے مجھ کو علو　　دور کر دل سے مرے ہر منقصت اور ہر غُلو
حضرت اشرف، فقیرو تھانوی کے واسطے

خلق کو ہوتا ہے حج زیارت خانہ نصیب　　کر مجھے اپنی مدد سے حجِ مردانہ نصیب
حاجی امداداللہ ذوالعطاء کے واسطے

پاک کر ظلماتِ عصیاں سے الٰہی دل مرا　　کر منور نورعرفاں سے الٰہی دل مرا
حضرت نورمحمد پر ضیاء کے واسطے

ایسے مرنے پر کروں قربان یارب لاکھ عید　　اپنی تیغِ عشق سے کر لے اگر مجھ کو شہید
حاجی عبدالرّحیم اہلِ غزا کے واسطے

کر وہ پیدا دردو غم میرے دلِ افگار میں　　بار پاؤں جس سے اے باری ترے دربار میں
شیخ عبدالباری شاہ بےریا کے واسطے

شرک وعصیان وضلالت سے بچا کر اے کریم　　کر ہدایت مجھ کو اب راہِ صراطِ مستقیم
شاہ عبدالہادی پیرہدیٰ کے واسطے

دین ودنیا کی طلب عزت نہ سرداری مجھے　　اپنے کوچے کی عطا کر ذلت وخواری مجھے

شاہ عضد الدّین عزیزِ دوسرا کے واسطے

دے مجھے عشقِ محمد اور محمدیوں میں گن　　ہو محمد ہی محمد ورد میرا رات دن
شہ محمد اور محمدی اتقیا کے واسطے

حبِّ حق حبِّ الٰہی حبِّ مولیٰ حبِّ رب　　الغرض کر دے مجھے محوِ محبت سب کا سب
شہ محبّ اللہ شیخ باصفا کے واسطے

گرچہ میں غرقِ شقاوت ہوں سعادت سے بعید　　پر توقع ہے کرے مجھ سے شقی کو تو سعید
بوسعید اسعدِ اہل ورا کے واسطے

قال ابتر حال ابتر سب مرے ابتر ہیں کام　　لطف سے اپنے مرے کر ملک دیں کا انتظام
شہ نظام الدین بلخی مقتدا کے واسطے

ہے یہی سب دین میرا اور یہی سب ملک و مال　　یعنی اپنے عشق میں کر مجھ کو باجاہ وجلال
شہ جلال لدّین جلیل اصفیا کے واسطے

حبّ دنیاوی سے کر کے پاک مجھ کو اے حبیب　　اپنے باغِ قدس کی کر سیر تو میرے نصیب
عبد قدوس شہ قدس وصفا کے واسطے

کر معطّر روح کو بوئے محمد سے مری　　اور منور چشم کو روئے محمد سے مری
اے خدا شیخ محمد رہنما کے واسطے

کر عطا راہ شریعت روئے احمد سے مجھے　　اور دکھا نور حقیقت خوئے احمد سے مجھے
شیخ احمد عارف صاحب عطا کے واسطے

کھول دے راہِ طریقت قلب پر یاحق مرے　　کر تجلیٔ حقیقت قلب پر یاحق مرے
احمد عبدالحق شہِ ملکِ بقا کے واسطے

دین و دنیا کا نہیں درکار کچھ جاہ و جلال　　ایک ذرّہ درد کا یاحق مرے دل میں تو ڈال
شہ جلال الدّین کبیر اولیاء کے واسطے

ہے مکدّر ظلمتِ عصیاں سے میرا شمس دیں　　کر منور نور سے عرفاں کے میرا شمسِ دین
شیخ شمس الدّین ترک شمس ضحیٰ کے واسطے

اے مرے اللہ رکھ ہر وقت ہر لیل ونہار عشق میں اپنے مجھے بے صبرو بے تاب وقرار
شیخ علاؤالدّین صابر بارضا کے واسطے

دے ملاحت مجھ کو حق تمکینیِ ایمان سے اور حلاوت بخش گنجِ شکر کے عرفان سے
شہ فریدالدّین شکر گنجِ بقا کے واسطے

عشق کی راہ میں ہوئے جو اولیاء اکثر شہید خنجرِ تسلیم سے اپنے مجھے بھی کر شہید
خواجہ قطب الدّین مقتول ولا کے واسطے

بے ترے ہی نفس وشیطاں درپئے ایمان ودیں جلد ہو یارب مرا آکر مددگار ومعیں
شہ معین الدّین حبیب کبریا کے واسطے

یاالٰہی بخش ایسا بےخودی کا مجھ کو جام جس سے اٹھ جا پردۂ شرم وحیا، ننگ ونام
خواجہ عثمان باشرم و حیا کے واسطے

دور کر مجھ سے غمِ موت وحیات مستعار زندہ کر ذکر شریف حق سے اے پروردگار
شہ شریف زندنی بااتقیا کے واسطے

آتشِ شوق اس قدر دل میں مرے بھر اے ودود ہر بُنِ مو سے مرے نکلے تری الفت کا دُود
خواجہ مودود چشتی پارسا کے واسطے

رحم کر مجھ پر تو اب چاہِ ضلالت سے نکال بخش عشق ومعرفت کا مجھ کو یارب مُلک ومال
شاہ بویوسف شہِ شاہ وگدا کے واسطے

مست اور بیخود بنا بوئے محمد سے مجھے محترم کر خوارئ کوئے محمد سے مجھے
بومحمد محترم شاہ ولا کے واسطے

صدقے احمد کے یہ ہے امید تیری ذات سے کہ بدل کردے مرے عصیان کو حسنات سے
احمد ابدال چشتی باسخا کے واسطے

حد سے گذرا رنجِ فرقت اب تو اے پروردگار کر مری شامِ خزاں کو وصل سے روزِ بہار
شیخ ابواسحٰق شامی خوش ادا کے واسطے

شادی وغم سے دوعالم کی مجھے آزاد کر اپنے دردوغم سے یارب دل کو میرے شاد کر

خواجہ ممشاد علوی بوالعلا کے واسطے

ہے مرے تو پاس ہر دم لیک میں اندھا ہوں پر بخش وہ نور بصیرت جس سے تو آوے نظر

بوہبیرہ شاہ بصری پیشوا کے واسطے

عیش وعشرت سے دو عالم کے نہیں مطلب مجھے چشم گریاں سینہ بریاں کر عطا یارب مجھے

شیخ خذیفہ مرعشی شاہ صفا کے واسطے

نے طلب شاہی کی نے خواہش گدائی کی مجھے بخش اپنے در تلک طاقت رسائی کی مجھے

شیخ ابراہیم ادھم بادشاہ کے واسطے

راہزن میرے ہیں دو قزاق باگر زِگراں تو پہنچ فریاد کو میری کہیں اے مستعاں

شہ فضیل ابن عیاض اہل دعا کے واسطے

کر مرے دل سے تو اے واحد دوئی کا حرف دور دل میں اور آنکھوں میں بھر دے سر بسر وحدت کا نور

خواجہ عبد الواحد بن زید شاہ کے واسطے

کر عنایت مجھ کو توفیقِ حسن اے ذوالمنن تا کہ ہوں سب کام میرے تیری رحمت سے حسن

شیخ حسن بصری امام الاولیا کے واسطے

دور کر دل سے حجابِ جہل و غفلت میرے اب کھول دے دل میں درِ علم حقیقت میرے رب

ہادیٔ عالم علی شیر خدا کے واسطے

کچھ نہیں مطلب دو عالم کے گل وگلزار سے کر مشرف مجھ کو تو دیدار پُرانوار سے

سرور عالم محمد مصطفٰے کے واسطے

آپڑا در پر ترے میں ہر طرف سے ہو ملول کر تو ان ناموں کی برکت سے دعا میری قبول

یاالٰہی اپنی ذاتِ کبریا کے واسطے

ان بزرگوں کے تئیں یارب غرض ہر کار میں کر شفاعت کا وسیلہ اپنے تو دربار میں

مجھ ذلیل وخوار و مسکین وگدا کے واسطے

اس دوئی نے کر دیا ہے دور وحدت سے مجھے کر دوئی کو دور کر پُرنور وحدت سے مجھے

تا ہوں سب میرے عمل خالص رضا کے واسطے

کردیا اس عقل نے بے عقل و دیوانہ مجھے کر ذرا اس ہوش سے بے ہوش و مستانہ مجھے
یا حق اپنے عاشقانِ باوفا کے واسطے

کشمکش سے ناامیدی کی ہوا ہوں میں تباہ دیکھ مت میرے عمل، کر لطف پر اپنے نگاہ
یارب اپنے رحم و احسان و عطا کے واسطے

چرخِ عصیاں سر پہ ہے زیرِ قدم بحرِ الم چارسُو ہے فوجِ غم کر جلدی اب بہرِ کرم
کچھ رہائی کا سبب اس مبتلا کے واسطے

گرچہ میں بدکار و نالائق ہوں اے شاہِ جہاں پر تیرے اب چھوڑ کر در کو بتا جاؤں کہاں
کون ہے تیرے سوا مجھ بے نوا کے واسطے

ہے عبادت کا سہارا عابدوں کے واسطے اور تکیہ زہد کا ہے زاہدوں کے واسطے
ہے عصائے آہ مجھ بے دست و پا کے واسطے

نے فقیری چاہتا ہوں نے امیری کی طلب نے عبادت، زہد نے ہے خواہشِ علم و ادب
دردِ دل پر چاہئے مجھ کو خدا کے واسطے

عقل و ہوش و فکر اور نعمائے دنیا بے شمار کی عطا تو نے مجھے پر اب تو اے پروردگار
بخش وہ نعمت جو کام آوے سدا کے واسطے

گرچہ عالم میں الٰہی سعی میں نے بسیار کی پر نہ کچھ تحفہ ملا لائق ترے دربار کے
جان و دل لایا وے تجھ پر فدا کے واسطے

گرچہ یہ ہدیہ مرا نا قابلِ منظور ہے پر جو ہو مقبول کیا رحمت سے تیری دور ہے
کشتگانِ تیغِ تسلیم و رضا کے واسطے

حد سے ابتر ہو گیا ہے حال مجھ ناشاد کا کر مری امداد اللہ وقت ہے امداد کا
اپنے لطف و رحمتِ بے انتہا کے واسطے

جس نے یہ شجرہ دیا ہے جس نے یہ شجرہ لیا جس نے یہ شجرہ پڑھایا جس نے یہ شجرہ پڑھا
بخش دیجئے سب کو ان اہلِ صفا کے واسطے